دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدث بنارس

جلد: ۳۷
شمارہ: ۱

جمادی الاولی
۱۴۴۰ھ
جنوری ۲۰۱۹ء

اس شمارہ میں

۱۔اللہ کے رسول اور انسانیت.....	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲۔یوم جمعہ: مغفرت اور توبہ......	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳۔والذي خبث لا يخرج إلا نكدا	مدیر	۷
۴۔اسلام کا تصور توحید اور سائنس	مولانا ابوالعاص وحیدی	۱۰
۵۔بعض دعائے ماثورہ میں......	ترجمانی: رفیق احمد رئیس سلفی	۱۴
۶۔ابوالفضل جلال الدین رحمانی	مولانا مطیع الرحمن محمد اسحاق سلفی	۲۱
۷۔وقت کی قدر کرنا سیکھیں	مولانا محمد ایوب سلفی	۲۷
۸۔عربی میں آزاد شاعری کا موجد کون؟	ڈاکٹر شمس کمال انجم	۳۱
۹۔احساس کا الارم	ڈاکٹر عبدالکریم سلفی علیگ	۳۵
۱۰۔شیخ زاہد الکوثری......	محمد عمر صلاح الدین	۳۷
۱۱۔عالم اسلام	ظل الرحمن فائق سلفی	۴۵
۱۲۔اخبار جامعہ	ادارہ	۴۶
۱۳۔باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۸

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد اسلم مبارک پوری

نائب مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

معاون مدیر
مولانا محمد ایوب سلفی

مجلس مشاورت

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا علی حسین سلفی
مولانا رفیق احمد رئیس سلفی
ڈاکٹر عبدالصبور مدنی

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/c No. 2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547, SWIFT Code: ALLAINBBVAR

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	**250**	روپے
بیرون ممالک:	**50**	ڈالر
فی شمارہ:	**25**	روپے

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کے رسول اور انسانیت پر آپ کے حقوق

عبداللہ سعود سلفی

[مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً] (سورة النساء:۸۰)

''جس نے رسول کی فرماں برداری کی اس نے دراصل اللہ کی فرماں برداری کی اور جو (فرماں برداری سے) منہ پھیر لے تو (اے محمد) ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد ﷺ کی ذمہ داری اور جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ان کا فریضہ یعنی رسول اور مرسل الیہ دونوں کے بارے میں واضح کر دیا ہے کہ کن پر کتنی جوابدہی ہے۔

نمبر ۱۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ جو کوئی اللہ کے رسول محمد ﷺ کی اطاعت کرے گا تو آپ کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت وفرماں برداری ہوگی۔ کیوں کہ جو کچھ رسول حکم دیتے ہیں وہ اللہ کا حکم ہے اور جن چیزوں سے روکتے ہیں وہ اللہ کے بتانے سے روکتے ہیں، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: [وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى] (سورہ نجم: ۳، ۴) وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں بولتے وہ تو صرف وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

نمبر ۲۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنا پیغام ہم انسانوں تک پہنچانے کا مکلف کیا ہے۔ اگر کوئی آپ کو رسول نہ مانے یا رسول ماننے کے بعد اطاعت وفرماں برداری نہ کرے تو اس کی کوئی جوابدہی رسول پر نہیں ہے، جیسا کہ (سورہ رعد: ۴۰) میں فرمایا: [فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ] ''آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے''۔

اور سورہ نور (۵۴) میں واضح طور پر فرمایا: [قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ] ''کہہ دیجئے کہ اللہ کے مطیع بنو اور رسول کی اطاعت کرو، لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو سمجھ لو کہ رسول پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے''۔

نمبر ۳۔ رسول کا کام اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہ۔ رسول کا کام لوگوں کو ہدایت کے راستہ پر لانا نہیں ہے۔

جیسا کہ آیت میں اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی آپ کی بات نہ سنے، یا نہ مانے، یا رسول ماننے سے روگردانی کرے، یا آپ کے پیغام کی طرف دھیان نہ دے یعنی اطاعت گزاری سے منہ پھیر لے تو اللہ نے محمد ﷺ کو ہمارا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے، جیسا کہ سورہ غاشیہ: ۲۱، ۲۲ میں فرمایا: [فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ، لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ] ''اچھا تو (اے رسول) نصیحت کیے جاؤ تم بس نصیحت کرنے والے ہو، آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں''۔

نمبر ۴۔ ہدایت دینا یا راہ راست پر لانا اللہ کا کام ہے، یہ رسول کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ زبردستی منوانا داروغہ کا کام ہوتا ہے۔

محمد ﷺ کے چچا ابو طالب جنھوں نے آپ کی بے انتہا مدد کی تھی، مسلمان نہیں تھے اور کفر کی حالت میں انتقال کر گئے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی شدید خواہش تھی کہ وہ کسی طرح کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، اور اس کے لیے آپ نے آخری وقت تک محنت کی۔ ابو طالب کا کفر کی حالت میں انتقال کر جانا آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے بہت قلق اور غم کی بات تھی۔ اللہ تعالی نے سورہ قصص: ۶۵ میں آپ کو بتایا کہ [إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ] آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

(جاری)

قبر رسول ﷺ کی زیارت کا صحیح طریقہ

رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک سفر میں ایک ہی مرتبہ قبر رسول ﷺ اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ کی زیارت کریں۔ قبر رسول ﷺ سے قریب تر ہو جائیں اور باادب کھڑے ہو کر کہیں: **السلام علیک یا رسول اللہ**، پھر تھوڑا دائیں جانب بڑھیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر کہیں: **السلام علیک یا أبا بکر**، پھر تھوڑا دائیں جانب بڑھیں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر کہیں: **السلام علیک یا عمر**۔ انہی کلمات پر اکتفا کیا جائے تو بہت بہتر ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہوتا ہے۔

درس حدیث

یوم جمعہ: مغفرت اور توبہ کا ایک عظیم دن

اسباب وذرائع

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ سلمان الفارسي، قال قال رسول الله ﷺ: من اغتسل يوم الجمعة وتطهر بما استطاع من طهر ثم ادهن أو مس من طيب، ثم راح فلم يفرق بين اثنين وصلى ما كتب له، اذا خرج الإمام أنصت، غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى.(صحيح البخاري، ح: ٨٦٨، كتاب الجمعة، باب لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة)

صحابی رسول سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور جو پاکی حاصل کرسکتا تھا اس نے حاصل کیا، پھر تیل یا خوشبو لگایا پھر مسجد گیا اور دو کو الگ الگ نہیں کیا اور حسب توفیق نفل ادا کی پھر جب امام (خطبہ کے لیے) نکلا تو غور سے خطبہ سنا، اس کے گناہ اس جمعہ سے، آنے والے جمعہ تک معاف کردیئے جائیں گے۔

اللہ تعالی نے اپنی تمام مخلوقات کو یکساں درجہ کا حامل نہیں بنایا ہے بلکہ ان میں مراتب مختلف ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح وفضیلت حاصل ہے۔

انسانوں میں سب سے افضل انبیاء کرام ہیں۔ پھر ان میں بھی بعض بعض سے افضل ہیں۔ روئے زمین کے خطوں میں حرمین شریفین سب سے بابرکت ہیں۔ مہینوں میں رمضان المبارک سید الشھور (مہینوں کا سردار) ہے اور دنوں میں جمعہ سید الایام دنوں کا سردار ہے۔

جمعہ کا دن بڑے خصائص وفضائل کا حامل ہے۔ جد امجد آدم علیہ السلام اسی دن پیدا کیے گئے۔ اسی دن جنت میں ٹھہرائے گئے اور اسی دن جنت سے واپس لائے گئے اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔

اس دن ایک ایسی گھڑی ہے جو کسی بندہ کو نصیب ہوجاتی ہے اور وہ اس وقت جو دعا کرتا ہے وہ قبول کی جاتی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے یہ دن اسی لیے بھی اہمیت وبرکت کا حامل ہے کہ یہ اس کی مغفرت کا دن ہے، لیکن یہ برکت کسے حاصل ہوگی اور کیسے حاصل ہوگی؟ اس کا بیان مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ اس حدیث میں مغفرت حاصل کرنے کے لیے جو اعمال بتلائے گئے ہیں، ان کی تشریح مختصراً عرض کرتا ہوں۔

۱۔ جمعہ کے دن غسل کی بڑی اہمیت ہے۔ بعض حدیثوں میں اسے واجب تک کہا گیا ہے۔ اگرچہ جمہور اسے سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں۔

اس کا وقت طلوع فجر یعنی فجر کی نماز کے ابتدائی وقت سے لے کر جمعہ کے لیے جانے تک ہے۔ اسی دوران کسی بھی وقت غسل جمعہ کی نیت سے یہ غسل کیا جاسکتا ہے۔

۲۔خصوصی پاکی حدیث میں اسے دوسرا عمل بتلایا گیاہے، اس سے کیا مراد ہے؟ علماء کے درمیان اس کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض نے لکھا کہ اس کا تعلق غسل سے ہے اور مراد سر کو اچھی طرح دھلنا ہے۔بعض علماء نے لکھا کہ اس سے مراد زیر ناف اور بغل کے بال کو صاف کرنا اور ناخن تراشنا ہے اور بعض علماء نے اس سے کپڑے صاف کرنا مراد لیا ہے۔

الغرض یہ کہ جمعہ کے دن جسم کی پوری صفائی کا اہتمام کیا جائے۔بال اور ناخن کو بھی درست کیا جائے اور کپڑے بھی صاف ستھرے کیے جائیں۔

۳۔جمعہ کے لیے نکلنے کے وقت سر اور داڑھی کے بال کو درست کرنا۔تیل لگانا اور خوشبو استعمال کرنا یہ بھی اس دن کی سنتوں میں سے ہے۔

البتہ اس سلسلہ میں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ایسی خوشبو نہ لگائے جو اسے تو پسند ہو لیکن عام مصلیان کو پسند نہ ہو اور دوسروں کے لیے باعث اذیت بن جائے۔

۴۔دو آدمیوں کو الگ الگ نہ کرے۔

مسجد میں جانے کے بعد جہاں اسے جگہ ملے وہاں وہ تحیۃ المسجد ادا کرے اور لوگ جو پہلے سے وہاں بیٹھے ہوئے ہوں، ان کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو ان کو الگ الگ کر کے درمیان میں کھڑا نہ ہو جائے۔ہاں اگر وہ پہلے سے ہی الگ الگ فاصلہ بنا کر بیٹھے ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں درمیان میں کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۵۔نفل نماز ادا کرنا۔

مسجد میں جانے کے بعد خطبہ شروع ہونے تک وہ جتنی رکعت نفل نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔اس کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔سلف سے بھی یہی منقول ہے کہ ان میں سے کوئی بارہ رکعت پڑھتا، کوئی دس کوئی آٹھ اور کوئی اس سے کم جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی میں لکھا ہے۔

اور یہ نفل نماز اذان کے وقت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔اس لیے اکثر علماء نے دلائل کی روشنی میں اسے منع والی روایت سے مستثنی قرار دیا ہے۔

۶۔خاموشی سے امام کا خطبہ سننا۔

خطیب کا خطبہ سننے کی بھی احادیث میں بڑی تاکید ہے اور اس دوران کسی بھی عمل کی اجازت نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو خطبہ کے دوران مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر ہی خطبہ سننے کے لیے بیٹھے، ہاں اگر کوئی ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہو کہ امام منبر پر بیٹھا اور مؤذن نے اذان شروع کردی، اب وہ اذان کا جواب دے یا تحیۃ المسجد پڑھے، یہ مسئلہ بھی علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے، دور حاضر کے دو بڑے عالم شیخ ابن باز اور شیخ ابن عثیمین رحمہم اللہ کی رائے بھی الگ الگ ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خطبہ سننا واجب ہے اور اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اس لیے واجب کی ادائیگی کے لیے مستحب کو چھوڑ دے گا اور اذان کے دوران تحیۃ المسجد پڑھ لے گا۔(۱)

(۱) مجموع فتاوی ابن عثیمین، فتوی نمبر ۱۵۳/۷۲۵

جبکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله .(۱) اور دوسری حدیث میں : إذا دخل أحدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلي رکعتین (۲) اگر دونوں حدیث پر عمل ہوجائے تو بہتر ہے، اس لیے وہ پہلے اذان کا جواب دے، پھر وہ ہلکی رکعت پڑھ کر بیٹھ جائے۔ اس طرح وہ دونوں پر عمل کرلے گا۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا موقف بہتر ہے اور الحمد للہ ہماری مساجد میں اس پر عمل بھی ہے۔ ان اعمال کو ذکر کرنے کے بعد اللہ کے رسول نے فرمایا: غفر له ما بینه وبین الجمعة الأخری. اس لیے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک کے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مراد صغائر ہیں۔ الصلوات الخمس والجمعة إلی الجمعة ورمضان إلی رمضان مکفرات لما بینهما اجتنبت الکبائر .(۳) پنج وقتہ نماز، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان اپنے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے، جب کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفارہ صغائر کا ہے۔

آج ہم جانے انجانے میں کتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لیے کفارہ کے مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور رب کی مغفرت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

●●●

شادی کرنے والے کے لیے دعا

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَیْکَ وَجَمَعَ بَیْنَکُمَا بِخَیْرٍ

تمہیں اللہ برکت دے اور تمہارے اوپر برکت کرے اور تم دونوں (میاں بیوی) کو خیر (بھلائی) میں جمع کرے۔

(ابوداود(۲۱۳) ترمذی(۱۰۹۱))

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

(مسلم: ۷۱۳)

مسجد سے نکلنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا طلب گار ہوں۔

(مسلم: ۷۱۳، ابوداود: ۴۶۵)

(۱) ابن ماجہ: ۷۱۸۔ (۲) صحیح بخاری: ۱۱۶۳۔ (۳) صحیح مسلم: ۲۳۳۔

افتتاحیہ

وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا

مدیر

جن الٰہی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کے لیے اللہ سبحانہ وتعالی نے خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے، انہی کا نام ''دین اسلام'' ہے۔ نبی اکرم ﷺ اسی دین کی نشر واشاعت میں لگے رہے یہاں تک کہ اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کردی۔ آپ کے بعد آپ کے جاں نثار صحابہ نے اسی دین پر مضبوطی سے جمے رہنے کے ساتھ اس کی تبلیغ واشاعت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ائمہ حق نے اسی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ علمائے کرام نے احکام الٰہیہ اور تعلیمات نبویہ کی توضیح وتشریح میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں، قواعد واصول مرتب کیے، ضوابط طے کیے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایسی درخشاں تحریریں چھوڑ گئے جو آج بھی متلاشیان حق کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہیں۔ تاریخ میں یہ پورا دور سلفی دور کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ اسی پر گامزن رہنے اور اس کی نشر واشاعت کرنے والوں کو ''سلفی'' کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو آج تک انہی افراد کے لیے بولی جاتی ہے جو اپنی پوری زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسی سرچشمہ سے سیراب ہوتے ہیں۔

درحقیقت یہی منہج سلف اسلامی تعلیمات واحکامات کی صحت کو پرکھنے کی کسوٹی اور معیار ہے۔ اور کتاب وسنت کے فہم وادراک کا وہ صاف آئینہ ہے جس کی روشنی میں خیر القرون کے اسلامی طرز حیات کا صحیح طور سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی منہج سلف کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا تھا: **''لن یصلح هذه الأمة إلا ما صلح به أولها''** منہج سلف وسطیت واعتدال سے مزین ایسا راستہ ہے جس میں نہ افراط وتفریط ہے، نہ تقلید وغلو، نہ تفسیق وتبدیع ہے اور نہ کسی کو کافر بنانے اور کہنے کا شوق۔ یہی منہج سلف اسلام کی صحیح تعبیر اور صراط مستقیم کی طرف صحیح رہنمائی ہے، جس پر چلنے کی دعا پروردگار عالم کے حضور میں نہایت تذلل وخضوع اور قنوت وخشوع کے ساتھ ہم اور آپ کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ راہ ہے جس پر گامزن رہنے والوں کے لیے دنیا وآخرت میں باری تعالی کی طرف سے انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے۔ سلف عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے: جو گذر چکا ہے۔ یہی معنی قرآن کریم کی ان آیات میں بھی مقصود ہے، ارشاد ربانی ہے: [وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ] (النساء: ۲۳) یعنی اللہ

رب العالمین نے دو بہنوں کو ایک ہی فرد کے نکاح میں باہم جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے الا یہ کہ جو (عہد جاہلیت میں) گزر چکا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: [عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ] (المائدۃ: ۹۵) جو کچھ گزر چکا ہے اسے اللہ نے معاف کر دیا ہے اور جو شخص حالت احرام میں قصداً شکار کرے گا تو اللہ تعالی اس سے بدلہ لے گا۔ اللہ تعالی زبردست بدلہ لینے والا ہے۔ ان کے علاوہ اور آیات بھی ہیں جن میں اس معنی کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس معنی کے پیش نظر سلفیت ایک ایسے منہج کی طرف دعوت دینے کا نام ہے جو علام الغیوب کی جانب سے نازل شدہ ہے، جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل سب پر محیط ہے۔ سلفیت اختیار کرنا اسلام کی طرف حقیقی پیش قدمی کا نام ہے جو ہر طرح کی خرافات وبدعات اور بگڑے ہوئے افکار وخیالات سے پاک وصاف ہے اور اللہ تعالی کا آخری منتخب دین ہے جو تمام ادیان وملل پر مہیمن اور غالب ہے، جس دین کی تبلیغ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ حق اور زمانۂ خیر القرون کے اعاظم رجال نے کی ہے۔ سلفیت معتبر علماء کا شرعی نصوص کو حیات انسانی کے ہر معاملے میں، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اہم یا غیر اہم، جملہ معاملات میں حکم اور قول فیصل کا نام ہے۔ جن علماء نے صرف اور صرف اسلامی تراث کو مطمح نظر رکھا اور اسی کی آبیاری کی اور اس دین کو جسے نبی آخر الزماں محمد ﷺ نے رشد وہدایت کا روشن مینار قرار دیا ہے، اسے بغیر کسی آمیزش کے روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے پیش کیا۔ اس سے چمٹنے، اتباع اور اعتناء سمجھنے اور اس سے سر موانحراف نہ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے اسی کا نام ''سلفیت'' ہے اور یہی سلفی دعوت ہے جو کسی فرد یا مشائخ کی طرف انتساب کرنے یا کسی مرکز وجمعیت کی طرف نسبت کرنے سے بہت بلند اور بالا ہے۔

جن لوگوں نے اس منہج سے انحراف کیا، ضلالت کی ایسی عمیق وادی میں گرے جس سے کبھی نکل نہ سکے۔ یہ انحراف کبھی ابوجہل وابولہب کی شکل میں نظر آیا، تو کبھی ابی بن خلف کے روپ میں تو ولید بن عقبہ کی صورت میں، کبھی جہمیہ، معتزلہ، کرامیہ اور معطلہ کا لبادہ اوڑھا تو کبھی رفض وتشیع کی راہ لی، کبھی خوارج وزندقہ کی خول میں دندناتی نظر آتی ہے تو کبھی سلیمانیہ واسمیہ، مشبہہ اور اباحیہ کے سر میں سر ملاتی نظر آتی ہے، کبھی یہ فکری انحراف کے حامل خوارج اور داعش کی صورت میں مہیب چہرہ لیے پھرتی ہے تو کبھی حکومت کے ایوانوں میں کرسیوں پر براجمان ہوتی ہے۔ الغرض اسی فکری انحراف نے سماج ومعاشرہ میں ایسی اپدر مچائی کہ صحابہ کرام جیسی بزرگ اور پاک باز شخصیات بھی ان کی دشنام طرازی سے محفوظ نہ

رہ سکیں، ان کو کبھی واجب القتل گردانا گیا تو کبھی ان کے خلاف تبرا بازی کی گئی تو کبھی انہیں ''غیر فقیہ'' کہہ کر ان کے مقام ومرتبہ سے کھلواڑ کیا گیا۔

سلفی منہج فکر سے انحراف سے تقلید اور فکری جمود کی وہ راہ نمودار ہوئی جو کتاب وسنت کے اصل مصادر سے اخذ واستفادہ کے بجائے فقہی موشگافیوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا قرار سمجھتی ہے اور انہیں فقہی لن ترانیوں کو دین سمجھتا ہے۔ اس فکری انحراف نے ایسا گل کھلایا کہ وہ آیات واحادیث جو ان کے مزاج کے مخالف نظر آئیں، ان میں ایسی دور کی کوڑی لائے کہ پورا مفہوم ہی الٹ پلٹ گیا۔ احادیث تو احادیث، قرآنی آیات میں تحریف کی سیہ کاری کی گئی۔ سچ فرمایا اللہ سبحانہ وتعالی نے [وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا] جو جیسا ہوتا ہے اس کے ذہن میں ویسا ہی پکتا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاق کا مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ حق تو یہ تھا کہ اس مسئلہ کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر رکھ کر ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک مان لیا جاتا جیسا کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں تھا، مگر ایک خاص مکتب فکر کے لیے بے توفیق فقیہوں نے یک لخت ان رخصتوں اور آسانیوں کو ختم کر دیا جو علام الغیوب نے قرآن معجز میں صاف اور واضح لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اسی خاص مکتب فکر کے حامل مولانا بدر الدین اجمل قاسمی نے ۲۷ر دسمبر ۲۰۱۸ء کو سرمائی اجلاس میں پارلیمنٹ کے اندر اہل حدیثوں اور سلفیوں کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی ہے اور پھر اس سے رجوع کیا وہ بعد میں ''تھوک کر چاٹنے'' کے مترادف ثابت ہوا۔ ادارۃ التالیف والترجمہ بنارس مولانا قاسمی کے بیان کی پرزور مذمت کرتا ہے اور اس سلسلہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر سلفی اداروں نے جو مذمتی بیانات شائع کیے ہیں ہم اس کی تائید کرتے ہیں اور بارگاہ ذی الجلال والاکرام میں دست بدعا ہیں کہ اس سلفی منہج کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور تمام جہاں کو اس منہج کے نور سے منور کر دے، آمین۔

• • •

اسلام کا تصور توحید اور سائنس

مولانا ابوالعاص وحیدی
استاذ کلیۃ الصفا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم باحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

یہ دور جس میں ہم لوگ سانس لے رہے ہیں سائنسی وتحقیقی دور ہے، جس میں علم وتحقیق کے قافلہ نے اتنی ترقی کی ہے کہ اشیائے کائنات کے بارے میں انتہائی حیرت انگیز دریافتیں سامنے آئی ہیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر عقل وخرد حیران وششدر ہے کہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے، زہرہ ومریخ پر کمندیں ڈالنے کی کوشش ہورہی ہے، سورج، چاند اور ستاروں کی گردش کا پتہ لگالیا گیا ہے، گرمی وسردی کو ناپنے کی مشینیں ایجاد کرلی گئی ہیں۔

آوازوں اور بولنے والوں کی شکلوں کو ہزاروں میل کی دوری پر سنانے اور دکھانے کے لیے ویڈیو اور ٹیلی ویژن جیسے آلات بنالیے گئے ہیں، ایسے موبائل ایجاد ہوگئے ہیں کہ باہم بات کرنے والے ایک دوسرے کی شکلیں اور حرکات وسکنات بھی دیکھنے لگے ہیں۔ اور اللہ جانے نامعلوم کیسی کیسی حیرت انگیز اور محیر العقول چیزیں ایجاد کرلی گئی ہیں۔

اگر ان سائنسی ایجادات واختراعات کی تاریخ کا سرسری مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا سہرا مسلمان علماء وفلاسفروں کے سر ہے، بلکہ ایک بڑی واضح حقیقت یہ سامنے آئی ہے کہ یہ ساری علمی ترقیاں اور سائنسی تحقیقات اس تصور توحید کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کا شعور مذہب اسلام نے انسانوں کو دیا ہے۔ ہم بہت اختصار کے ساتھ اس بات کی وضاحت کررہے ہیں کہ کس طرح جدید یورپ کی سائنسی ترقیاں مذہب اسلام کی دین ہیں اور قرآن وحدیث کے پاکیزہ تصور توحید کا نتیجہ ہیں۔

آیئے! ہم تھوڑی دیر کے لیے چھٹی صدی عیسوی اور اس سے پہلے کی دنیا میں چلتے ہیں جبکہ پوری انسانیت شرک بت پرستی اور جہالت کی تیرہ وتاریک وادیوں میں بھٹک رہی تھی اور انسانی قافلہ علم وشعور سے اتنا دور ہوگیا تھا کہ شجر وحجر، شمس وقمر، آگ اور دریا غیرضیکہ خشک وتر کی بہت سی چیزوں کو خدا سمجھنے لگا تھا، اور اپنی مقدس پیشانی ان کے سامنے جھکارہا تھا۔

خانہ کعبہ جو ایک اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا اس میں تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے گئے تھے۔ وہ گھر جو توحید خالص کا چشمہ تھا شرک وجہالت اور بتوں کی نجاست سے آلودہ کردیا گیا تھا، جس کا انجام یہ ہوا کہ انسان اللہ کے صحیح تصور وادراک سے بیگانہ ہوگیا، ایمان ویقین کی قندیلیں بجھ گئیں اور انسانوں کے لیے علم وآگہی، تحقیق وتجسس اور فکر

وشعور کی ساری راہیں بند ہوگئیں۔

ایسے حالات میں رحمت الٰہی کو جوش آیا اور اللہ تعالی نے مذہب اسلام کی صاف ستھری تعلیمات کے ساتھ اپنے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا، آپ نے شرک وجہالت کی تاریکیوں میں توحید خالص کا چراغ روشن کیا، ایمان ویقین کے دیئے جلائے اور شاہراہ زندگی پر مذہب اسلام کی زندہ وپائندہ تعلیمات کی ایسی قندیلیں جگمگائیں کہ انسانوں کی پیشانیاں رب واحد کے آستانہ پر جھکنے لگیں، شرک وجہالت کی تاریکیاں دور ہوئیں، ایمان ویقین کی بہار آئی، اور انسانی گلشن میں شعور وآگہی کے ایسے جھونکے چلے کہ انسانی عقل وخرد بیدار ہوگئی اور انسان جہالت وضلالت اور اوہام وخرافات کی ظلمتوں سے نکل کر علم ودانش کے اجالے میں آگیا۔

توحید خالص کی صاف ستھری تعلیم کے ساتھ مذہب اسلام نے انسانوں کو یہ شعور بھی دیا کہ اے غافل انسانو! زمین وآسمان کی یہ ساری چیزیں جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کردی گئی ہیں، لہذا تم علم وتحقیق کی روشنی لے کر ان چیزوں پر غور کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ، چنانچہ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

[اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ، وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ] (الجاثیہ:۱۲۔۱۳)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو تابع کردیا، تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم روزی تلاش کرو اور اللہ کا شکریہ ادا کرو، اور اسی طرح اللہ نے تمہارے لیے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو اپنی طرف سے تابع کیا، بیشک ان باتوں میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تابع ومطیع کردینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کائنات کی تمام چیزوں کو انسانوں کی خدمت پر مامور کردیا اور ہمارے مصالح وصنائع اور ہمارا معاش ان سے وابستہ کردیا، جیسے سورج، چاند، روشن ستارے، بارش، بادل اور ہوائیں وغیرہ۔ شیخ سعدی نے اسی حقیقت کو یوں منظوم کیا ہے:

ابر وباد ومہ وخورشید وفلک درکار اند
تا تو نانے بکف آری وبغفلت نہ خوری
ہمہ ز کہ ببر تو سر گشتہ وفرماں بدوار
شرط انسان نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تم روزی کماؤ اور غفلت سے نہ کھاؤ، یہ سب تمہارے لیے سرگرم اور تابعدار ہیں، لہذا یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ تم اللہ تعالی کی فرماں برداری نہ کرو۔

بہرحال مذہب اسلام نے ایک طرف توحید کا واضح تصور دیا اور یہ حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالی ہی وہ ذات ہے جو کائنات کا رب، خالق، مالک، نافع، ضار، پکار سننے والا، میدان زندگی میں مدد کرنے والا اور قضاء وقدر کا مالک، اپنے اسماء وصفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ لہذا وہی ہر طرح کی عبادت کا مستحق ہے اور دوسری طرف غیر اللہ یعنی

زمین وآسمان کی تمام چیزوں کے بارے میں مذہب اسلام نے انسانوں کو یہ شعور دیا کہ یہ ساری چیزیں انسانوں کے لیے مسخر ہیں، انہیں کے فائدے کے لیے بنائی گئی ہیں، اس لیے ان کی بندگی اور پرستش کھلی ہوئی جہالت ہے، قرآن مجید میں اس طرح کی آیات بے شمار ہیں جن میں ان حقائق کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں ایسی بھی بہت سی آیات ہیں جن میں کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اور انسانوں میں یہ شعور ابھارا گیا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں میں علم وتحقیق سے کام لو، ان سے توحید کا شعور حاصل کرو، اور انہیں اپنے مقاصد زندگی کے لیے استعمال کرو، اس سلسلے میں ایک آیت ملاحظہ ہو، ارشاد باری ہے:

[إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ] (البقرۃ: ۱۶۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے تغیر میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والے تجارتی مال کو لے کر چلتی ہیں اور اس بات میں کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے جاندار پھیلائے اور ہواؤں کی تبدیلیوں میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا جاتا ہے عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

مذہب اسلام کی انہیں تعلیمات کا یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ابھی ایک صدی بھی نہ گذری کہ مسلمانوں نے عرب وعجم کے بہت سے ملکوں کو فتح کرکے وہاں عدل وانصاف کے پرچم بلند کیے اور علم وتحقیق کی فضا پیدا کی، حتی کہ دوسری وتیسری صدی میں مسلمانوں میں بڑے بڑے دانشور، فلاسفر اور حکماء اسلام پیدا ہوئے جنھوں نے ایجادات واختراعات کے میدان میں ایسے نمایاں کارنامے انجام دیے کہ پوری دنیا میں ایک علمی وتحقیقی انقلاب پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ریاضی وطب، فلسفہ وہیئت اور جغرافیہ وغیرہ علوم وفنون میں کون سا ایسا علم ہے جسے مسلمانوں کے عہد میں ترقی نہ ملی ہو، اس سلسلے میں ڈاکٹر زیڈ، اے ہاشمی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے عہد میں سائنس کی ایک غیر معمولی ترقی کا سبب قرآن کی وہ تعلیمات ہیں جنھوں نے ایک با مقصد تہذیب کو جنم دیا، یہ تہذیب دور قدیم اور دور جدید کی تخیل پرستانہ اور مظاہر طلب تہذیبوں سے بالکل مختلف تھی، جس میں انسانی زندگی کا مقصد یہ قرار پایا کہ وہ اس زندگی میں بیک وقت حسنات دنیا اور حسنات آخرت کے حصول کی جدوجہد کرے، اس تہذیب میں خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے صرف نفس انسانی کی گہرائیوں میں اترنا کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اللہ تعالی کی ان تمام نشانیوں پر غور وخوض بھی لازم قرار پایا جو اس وسیع وعریض کائنات میں ہر سو بکھری ہوئی ہیں''۔ (سائنس کی دینیات،

ص:۱۲۔۱۳،طبع دہلی)

حاصل کلام یہ ہے کہ سائنسی تحقیق وسیع انداز میں توحید خالص کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے جس کے علمبرداروں نے اسلام کے دیئے ہوئے علمی مزاج اور تحقیقی جرأت ہی کی وجہ سے ارضیات وفلکیات سے متعلق مختلف علوم وفنون ایجاد کیے۔ رہا آج کا جدید یورپ تو اس نے مسلمانوں ہی سے سائنسی تحقیق کی رہنمائی حاصل کی ہے، چنانچہ یورپ کے مشہور مؤرخ مسٹر لیبان نے اپنی کتاب ''یورپ پر عربوں کے اثرات'' میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یورپ میں جہالت کا دور اتنا طویل تھا کہ ان کو اپنی جہالت کا احساس تک بھی باقی نہیں رہ گیا تھا اور ان میں گیارہویں صدی عیسوی سے علم کا ابتدائی رجحان پیدا ہوسکا، بلکہ بارہویں صدی کہنا زیادہ صحیح ہے، جب بعض روشن دماغ لوگوں نے جہالت کا بھاری کفن جس کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے پھاڑنے کی ضرورت محسوس کی تو وہ بے تحاشا عرب مسلمانوں کی طرف لپکے، کیوں کہ یہ وہ دور تھا جب علم وتحقیق کی سیادت عرب مسلمانوں کو حاصل تھی''۔ (عرب سے یورپ تک، ص:۷، طبع دہلی)

آخر میں اس بات پر اظہار افسوس کرنا پڑتا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ تحقیق وسائنس کے میدان میں قیادت وسیادت مسلمانوں کو حاصل تھی، مگر آج مسلمان اس میدان میں بہت پیچھے ہیں، بلکہ زوال وانحطاط یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اسلامی مدارس کے نصاب تعلیم میں سائنسی وعصری علوم کی شمولیت کو علمائے اسلام نے بحث ونظر کا موضوع بنالیا تھا، لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ بیسویں صدی کے ربع اخیر سے عرب وعجم کے مدارس وجامعات میں عصری علوم پر خصوصی توجہ دی جانے لگی ہے۔

> مذہب اسلام کی انہیں تعلیمات کا یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ابھی ایک صدی بھی نہ گذری کہ مسلمانوں نے عرب وعجم کے بہت سے ملکوں کو فتح کرکے وہاں عدل وانصاف کے پرچم بلند کیے اور علم وتحقیق کی فضا پیدا کی، حتی کہ دوسری وتیسری صدی میں مسلمانوں میں بڑے بڑے دانشور، فلاسفر اور حکماء اسلام پیدا ہوئے جنھوں نے ایجادات واختراعات کے میدان میں ایسے نمایاں کارنامے انجام دیے کہ پوری دنیا میں ایک علمی وتحقیقی انقلاب پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ریاضی وطب، فلسفہ وہیئت اور جغرافیہ وغیرہ علوم وفنون میں کون سا ایسا علم ہے جسے مسلمانوں کے عہد میں ترقی نہ ملی ہو۔

اللہ تعالی سے میری دعا ہے کہ وہ مسلمان علماء اور خدا پرست دانشوروں کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ قرآنی آیات کی روشنی میں توحید کا تقاضا پورا کرتے ہوئے تحقیقی وسائنسی میدان میں اپنی عظمت رفتہ واپس لانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالی علماء اسلام کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

●●●

بعض دعائے ماثورہ میں بے سند اضافے

ڈاکٹر عبدالرزاق البدر ترجمانی: رفیق احمد رئیس سلفی

نبی اکرم ﷺ جن اذکار کا ورد فرماتے، جو دعائیں پڑھتے اور جن کی تعلیم آپ صحابہ کرام کو دیتے تھے، ان کی فضیلت کسی سے مخفی نہیں۔ وہ اپنے الفاظ اور معانی کے لحاظ سے کامل ہیں اور ابتدا سے انتہا تک ہر خیر و برکت کو جامع ہیں جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان النبى ﷺ يعجبه الجوامع من الدعاء ،ويدع ما بين ذلك.

''نبی اکرم ﷺ کو جامع دعائیں حد درجہ پسند تھیں اور آپ ہمیشہ جامع دعائیں ہی پڑھا کرتے تھے''۔ (سنن ابی داود: ۱۴۸۲، مسند احمد: ۲۵۱۵۱، صحیح ابن حبان: ۸۶۷)

امام احمد نے اپنی مسند (۴۱۶۰) میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

إن رسول الله ﷺ علم فواتح الخير وجوامعه وخواتمه.

''رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جامع، افتتاحی اور اختتامی کلمات عطا فرمائے گئے تھے''۔

اس مفہوم کی احادیث کئی ایک ہیں۔ آپ ﷺ جوامع الکلم سے سرفراز تھے اور بدائع حکمت آپ کی خصوصیت تھی جیسا کہ صحیح بخاری (۷۰۱۳) اور صحیح مسلم (۵۲۳) میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بعثت بجوامع الكلم.

''مجھے جوامع الکلم عطا کرکے مبعوث کیا گیا ہے''۔

امام بخاری رحمہ اللہ جوامع الکلم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جوامع الكلم فيما بلغنا أن الله يجمع له الأمور الكثيرة التى كانت تكتب فى الكتب قبله فى الأمر الواحد والأمرين ونحو ذلك.

''جیسا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ بہت سے امور جو آپ کی بعثت سے پہلے نازل کردہ کتابوں میں لکھے ہوئے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو وغیرہ امور میں جمع کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۰۱۳)

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی گفتگو میں مختصر اور کم سے کم الفاظ استعمال فرماتے تھے لیکن وہ بہت سے معانی پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی یہی نرالی شان اذکار اور دعاؤں کے سلسلے میں بھی تھی۔ آپ جامع اذکار اور دعائیں پسند فرماتے تھے اور ہمیشہ جامع دعائیں ہی مانگا کرتے تھے۔

آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو ٹھیک اسی طرح دعائیں

سکھاتے تھے جس طرح قرآن کریم کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے۔ صحابہ کرام کی بھی عادت طیبہ یہی تھی کہ وہ اپنے پڑھنے کے لیے آپ سے دعائیں سکھانے کی درخواست کرتے تھے حالانکہ وہ صاحب علم اور فصاحت میں ممتاز تھے۔ اگر آپ کی سکھائی ہوئی دعا اور ذکر میں کوئی غلطی کرتا خواہ وہ ایک لفظ ہی کی کیوں نہ ہو، آپ اس کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔

لہذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیم اور فرمودہ دعاؤں کی قدر ومنزلت اور عظمت ورفعت کو پہچانے اور یہ یقین رکھے کہ آپ کی سکھائی ہوئی دعائیں تمام خیر وبرکت پر مشتمل ہیں، سعادت کا سرچشمہ اور دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی کی شاہ کلید ہیں۔

ایک مسلمان کے لیے اپنے رب کے حضور وہی سوال پیش کرنا سب سے بہتر ہے جو سوال اللہ سے اس کے بندے اور رسول ﷺ نے کیا، اسی طرح استعاذہ کے وہی کلمات سب سے افضل ہیں جن سے اس کے بندے اور رسول ﷺ نے استعاذہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ سے جو دعائیں منقول وماثور ہیں، ان میں کسی طرح کی کوئی زیادتی نہ کرے یعنی اپنے خیال میں اچھا اور مستحسن سمجھ کر آپ کی دعاؤں میں کسی کلمے اور لفظ کا اضافہ نہ کرے۔ ذیل میں نمونے کے طور پر چند دعائیں پیش کی جارہی ہیں، جو خاص وعام میں مروج ہیں اور جن میں اضافہ کردیا گیا ہے:

(۱) یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ.

یہ دعا نبی اکرم ﷺ سے کئی ایک صحابہ سے مرفوعاً ثابت ہے لیکن اس میں کا اضافہ نہیں ہے جیسا کہ سنن ترمذی (۲۱۴۰) اور مسند احمد (۱۲۱۰۷) میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يكثر أن يقول: يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك.

''رسول اللہ ﷺ بہ کثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔ (اے دلوں کو الٹنے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کسی نے اس دعائے نبوی میں اضافہ کیا ہے، اس کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت تھی:

{وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ} (الأنعام: ۱۱۰)

''اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے''۔

حالانکہ آیت کا سیاق بالکل الگ ہے۔ اس میں اس سزا کا ذکر ہے جو اللہ نے مشرکین کو دی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ نے ان کے دل پھیر دیے، ان کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا، ان کے اور ایمان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی اور انھیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نہیں دی۔

(۲) لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ.

سنن ابی داود (۵۰۹۰)، مسند احمد (۲۰۷۰۲) اور صحیح ابن حبان (۹۷۰) میں سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دَعْوَاتُ الْمَكْرُوْبِ: اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.

''غم زدہ اور پریشان حال کی ایک دعا یہ بھی ہے: ''اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ'' (اے اللہ! تیری رحمت کا میں خواستگار ہوں، مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا، میرے تمام حالات درست فرمادے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں)۔

اس دعا میں ''وَلَا أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ'' کا اضافہ بے اصل ہے، حدیث مذکورہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آنکھ جھپکنے کے برابر (طَرْفَةَ عَيْنٍ) کا ذکر اس شدت احتیاج کو ظاہر کرتا ہے جو بندے کو اپنے رب سے ہوتی ہے، بندہ اس سے ایک لمحے کے لیے بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

(۳) مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِبَادُكَ الصَّالِحُوْنَ، وَكَذَا فِي التَّعَوُّذِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے۔ انھوں نے آپ سے گفتگو کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، میں نماز پڑھ رہی تھی، آپ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا: جامع اور کامل دعائیں مانگا کرو۔ جب میں نماز سے فارغ ہوئی تو آپ سے ان دعاؤں کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ان کلمات کے ساتھ دعا کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْتَعِيذُكَ مِمَّا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْأَلُكَ مَا قَضَيْتَ لِي مِنْ أَمْرٍ أَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا.

''اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی طلب کرتا ہوں، وہ بھی جو جلدی حاصل ہونے والی ہے اور وہ بھی جو تاخیر سے ملنے والی ہے، وہ بھی جس کا مجھے علم ہے اور وہ بھی جس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔ اور میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں ہر طرح کی برائی سے، اس سے بھی جو جلدی آنے والی ہے اور اس سے بھی جو تاخیر سے پہنچنے والی ہے، اس سے بھی جس کا مجھے علم ہے اور اس سے بھی جس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تجھ سے جنت کا طلب گار ہوں اور ہر اس قول وفعل کی توفیق چاہتا ہوں جو جنت سے قریب کرنے والے ہیں، اسی طرح جہنم سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور ہر اس قول وفعل سے دور رہنے کا طالب ہوں جو جہنم سے قریب کرنے والے ہیں۔ میں تجھ سے وہی بھلائی طلب کرتا ہوں جو تجھ سے تیرے بندے اور رسول محمد ﷺ نے طلب کی اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس برائی

سے جس برائی سے تیری پناہ تیرے بندے اور رسول محمد ﷺ نے طلب کی ، میں تجھ سے یہ بھی سوال کرتا ہوں کہ میرے حق میں جس چیز کا بھی تو نے فیصلہ کر دیا ہے ،اس کا انجام بہتر ہو''۔

یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند (۲۵۱۳۷، ۲۵۱۳۸) میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک (۱/ ۵۲۲) میں روایت کی ہے۔امام حاکم نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

''وعبادک الصالحون'' کا اضافہ نہ سوال میں ہے اور نہ استعاذہ میں ۔ان الفاظ کے ساتھ اس جامع اور کامل دعا کو مکمل کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی دعاؤں کے مطالب ومقاصد نبی اکرم ﷺ سے ثابت اور منقول مطالب ومقاصد سے الگ نہیں ہو سکتے۔آپ ﷺ کی دعائیں تمام نیکی وبھلائی اور فضل وکمال کو محیط اور جامع ہیں۔

(۴) اللھم انک عفو کریم تحب العفو.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے شب قدر مل جائے تو میں کیا دعا مانگوں؟ آپ نے جواب دیا: یہ دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی.

''اے اللہ!تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے،معاف کرنے کو پسند کرتا ہے ،لہذا مجھے بھی معاف فرمادے''۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے سنن (۳۵۱۳) میں، امام ابن ماجہ نے سنن (۳۸۵۰) میں،امام احمد نے مسند (۲۵۴۲۳) میں اور امام حاکم نے مستدرک (۱/ ۵۳۰) میں روایت کیا ہے۔امام ترمذی اور امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

''اَلْکَرِیْمُ'' اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے لیکن اس جگہ اس لفظ کا وجود نہیں اور نہ اس حدیث میں اس کی کوئی اصل ہے ،جیسا کہ شیخ بکر ابوزید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تصحیح الدعاء'' (ص: ۵۰۶) میں اس کی تحقیق وتفصیل پیش کی ہے۔

سنن ترمذی کے بعض ایڈیشنوں میں اس لفظ کا پایا جانا بہ ظاہر بعض ناسخوں یا ناشرین کا اضافہ معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سنن ترمذی میں ''عفو'' کے بعد ایک لفظ ''کریم'' کا اضافہ ہے لیکن قدیم مصادر میں اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ بعد کے ان مصادر میں اس کا وجود ہے جن میں یہ حدیث ترمذی ہی سے منقول ہے۔ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ بعض ناسخوں یا ناشرین کا ادراج ہے۔ یہ اضافہ سنن ترمذی کے اس ایڈیشن میں نہیں ہے جو علامہ مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی (۴/ ۲۶۴) کے ساتھ شائع شدہ ہے۔اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام نسائی نے اپنی بعض روایات میں ٹھیک اسی سند سے یہ حدیث نقل کی ہے جس سند سے امام ترمذی نے نقل کی ہے اور دونوں نے ایک ہی استاذ قتیبہ بن سعید سے یہ حدیث روایت کی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ نہیں ہے''۔(سلسلہ صحیحہ: ۷/ ۱۰۱۱۔۱۰۱۲)

اسی طرح بشار عواد کی تحقیق کے ساتھ جو سنن ترمذی شائع ہو رہی ہے،اس میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔

(۵) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ.

امام مسلم نے اپنی صحیح (۵۹۱) میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ اذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثا وقال: اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام.

''رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفر اللہ پڑھتے اور اس کے بعد کہتے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (اے اللہ! تو ہی سلام ہے، سلامتی تیری ہی طرف سے ہے اور اے جلال وعزت والی ذات! تو ہی بابرکت ہے)۔

اسی طرح صحیح مسلم (۵۹۲) ہی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

کان النبی ﷺ اذا سلم لم يقعد الا مقدار ما يقول: اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام.

''نبی اکرم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو صرف اتنی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں یہ کلمات پڑھ لیتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (اے اللہ! تو ہی سلام ہے، سلامتی تیری ہی طرف سے ہے اور اے جلال وعزت والی ذات! تو ہی بابرکت ہے)۔

شیخ بکر ابوزید رحمہ اللہ اپنی کتاب ''تصحیح الدعاء'' (ص: ۴۳۱) میں لکھتے ہیں:

''تبارکت'' کے بعد 'وتعالیت'' کا اضافہ اس حدیث میں ثابت نہیں ہے۔ ہاں یہ لفظ دعائے قنوت: ''اللهم اهدنا فيمن هديت .... تباركت وتعاليت'' اور دعائے ثنا: ''سبحانك اللهم وبحمدك ....وتعالى جدك''، میں پایا جاتا ہے''۔

(۶) اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ عَظِیْمٍ.

احادیث میں استغفار کے لیے کئی قسم کے صیغے اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن کسی ایک حدیث میں ''الذنب العظيم'' (بڑے گناہ) کی قید لگی ہوئی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اپنے سجدوں میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ، وَجِلَّهُ، وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ.

''اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، چھوٹے بھی اور بڑے بھی، پہلے کے بھی اور بعد کے بھی، کھلے ہوئے بھی اور چھپے ہوئے بھی''۔

یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح (۴۸۳) میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم (۲۷۱۹) ہی میں سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي، وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي جِدِّي

وَهَزْلِي، وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي، اللهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

''اے اللہ! بخش دے میری چوک اور میری نادانی کو اور میری زیادتی کو جو مجھ سے اپنے حال میں ہوئی اور بخش دے اس چیز کو جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اے اللہ! بخش دے میرے ارادہ کے گناہ اور میری ہنسی کے گناہ اور میری بھول چوک اور قصد کو اور یہ سب میری طرف سے ہے، اے مالک میرے! بخش دے میرے اگلے اور پچھلے اور چھپے گناہوں کو اور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو آگے کرنے والا ہے اور تو پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب ''جلاء الافهام'' میں لکھتے ہیں:

''یہ بات معلوم رہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر صرف یہ کہا جاتا کہ اے اللہ! میرے وہ تمام گناہ معاف کردے جو میں نے کیے ہیں، تو اس میں ایجاز واختصار ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ حدیث بتاتے ہیں کہ یہ مقام دعا کا ہے، تضرع، اظہار عبودیت، اظہار فقر واحتیاج اور جن جن گناہوں سے بندہ اللہ سے توبہ کرنا چاہتا ہے، ان کے استحضار کا ہے لہذا یہاں اختصار اور ایجاز کے مقابلے میں تفصیل زیادہ بہتر اور بلیغ ہے''۔

جب صورت حال یہ ہے تو اندازہ کریں کہ کوئی شخص محض بڑے گناہ کی مغفرت کے طلب پر کیوں کر اکتفا کرسکتا ہے۔

(۷) رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا کرنا:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْأَبْرَارِ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ.

اس دعا میں ''وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْأَبْرَارِ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ۔'' کا اضافہ بے سند ہے جیسا کہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی (۲۲/ ۳۳۲) میں اور اپنی کتاب ''الشرح الممتع'' (۷/ ۲۴۸) میں اس کی وضاحت کی ہے۔

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ سے جو دعا ثابت ہے، وہ صرف ''وَقِنَا عَذَابَ النَّار'' تک ہے۔ چنانچہ امام ابوداود، امام احمد اور امام ابن حبان وغیرہ نے سیدنا عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

سمعت النبی ﷺ یقول بین الرکن والحجر: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.

''میں نے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان نبی اکرم ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا: ''رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار'' (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ)۔

یہ دعا نبی اکرم ﷺ بہ کثرت پڑھا کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم (۲۶۹۰) میں قتادہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کون سی

دعا نبی اکرم ﷺ بہ کثرت پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نبی اکرم ﷺ جو دعا بہ کثرت پڑھا کرتے تھے، وہ یہ تھی:

''اَللّٰھُمَّ آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار'' (اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ)۔

قتادہ آگے فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ جب دعا کا ارادہ کرتے تو یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اس دعا میں مذکورہ بالا اضافہ نہیں ہے۔

(۸) دعائے قنوت میں یہ کلمات:

وَقِنِیْ وَاصْرِفْ عَنِّیْ بِرَحْمَتِکَ شَرَّ مَا قَضَیْتَ

دعائے قنوت پر مشتمل حدیث میں ''وَاصْرِفْ عَنِّیْ بِرَحْمَتِکَ'' کا اضافہ بے اصل ہے، کلام میں یہ ایک زائد بات ہے جب کہ ہمارے نبی ﷺ کی دعا ہر لحاظ سے مکمل ہے، وہ کسی استدراک یا تکمیل کی محتاج نہیں ہے۔

لوگوں کے جیسے حالات ہیں، ان میں اس قسم کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ بعض مثالیں ہم نے نمونے کے طور پر ذکر کی ہیں تا کہ لوگ دعائے ماثورہ میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرنے سے باز رہیں۔ یہاں ہم نے صرف وہ اضافے ذکر کیے ہیں جو بے سند اور بے اصل ہیں، ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے جن کے سلسلے کی احادیث ضعیف ہیں یا جن کا ثبوت مختلف فیہ ہے۔

واللہ وحدہ ولي التوفیق والسداد.

③③③

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

وہابی دراصل کسی فرقہ کا نام نہیں۔ محض طنز اور طعن کے طور پر ان لوگوں کے لیے ایک نام رکھ دیا گیا ہے جو یا تو اہل حدیث ہیں یا محمد بن عبد الوہاب کے پیرو ہیں۔ اہل حدیث کا مسلک تو قدیم ہے۔ ائمہ اربعہ کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا گروہ ہے جو کسی امام کی تقلید اختیار کرنے کے بجائے خود حدیث وقرآن سے احکام کی تحقیق کرتے ہیں۔ رہے محمد بن عبد الوہاب کے پیرو تو وہ دراصل حنبلی طریقہ کے لوگ ہیں۔ ان کی فقہ اور ان کے عقائد وہی ہیں جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے تھے۔ ہندوستان میں یہ موخر الذکر گروہ غالبا کہیں موجود نہیں ہے۔ جن لوگوں کو یہاں ''وہابی'' کہا جاتا ہے وہ دراصل پہلے گروہ کے لوگ ہیں۔

(رسائل ومسائل ۱/۱۹۱)

جامعہ رحمانیہ بنارس کا ایک درخشندہ ستارہ

ابوالفضل جلال الدین رحمانی

تحریر: مولانا مطیع اللہ محمد اسحاق سلفی
ریکٹر دارالعلوم ششہنیاں، سدھارتھ نگر

تحصیل نوگڑھ ضلع سدھارتھ نگر کا ایک مشہور ومعروف گاؤں موتی پور ہے جو نوگڑھ سے بجانب شمال واقع ہے۔ یہ موضع مڈکا علاقہ میں اتباع کتاب وسنت کے باب میں عہد قدیم سے اپنی شناخت رکھتا ہے۔ اس گاؤں کے ایک موحد، دیندار، تعلیم یافتہ اور خوش حال گھرانہ میں مولانا جلال الدین رحمانی کی ولادت ہوئی جو بعد میں علمی افق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، جن کا ذکر جمیل ذیل کے سطور میں اختصار وایجاز کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ واللہ الموفق والمستعان۔

نام ونسب:

جلال الدین بن احسان اللہ بن عبداللہ بن عباد اللہ بن خدابخش بن شہادت علی۔ کنیت ابوالفضل، جامعہ رحمانیہ سے فراغت حاصل کرنے کی وجہ سے رحمانی نسبت ہے۔

تاریخ ولادت:

یکم جولائی ۱۹۳۴ء بمقام: موتی پور۔

خاندانی پس منظر:

آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر جب اس علاقہ اور قرب وجوار میں پیر پرستی، قبر پرستی، تعزیہ داری اور دیگر رسوم بدعیہ میں مسلمانوں کی اکثریت مبتلا تھی ٹھیک اسی عہد میں مولانا حکیم ابوالفضل جلال الدین رحمانی کے جد امجد محترم عبداللہ بن عباد اللہ (معروف بہ مٹھومیاں) نے اپنے اور اپنے بھائی شاہ محمد وتعلقدار کے کھلیان میں وقت کے حاکم انگریز بہادر سے اجازت لے کر ایک چھوٹی سی درسگاہ مسہر گنج اور موتی پور کے مابین قائم کر دی جس میں اپنے دونوں بیٹوں احسان اللہ (بڑکا میاں) اور عرفان اللہ (چھٹکا میاں) کو اعزازی طور پر مدرس مقرر کر دیا اور مستقل طور پر درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ مدرسہ ترقی کے منازل طے کرتا گیا اور قرب وجوار سے اوہام پرستی اور رسوم بدعیہ دم توڑنے لگی۔ اس طرح موتی پور اور اردگرد کے علاقے علم وعرفان کی قندیل سے منور وتاباں ہونے لگے۔

ابتدائی تعلیم:

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو ابجد خوانی کا آغاز اپنے جد امجد کے قائم کردہ ادارہ ''دارالسلام'' موتی پور سے کیا۔ ناظرہ قرآن مجید اور اردو میں جب روانی پیدا ہو گئی تو برڈپور نمبر ۱۳ کے قدیم مکتب ''مکتب اسلامیہ مہدئیا'' کا رخ کیا کیونکہ دارالسلام میں درجہ بندی کا اہتمام نہیں تھا۔ مہدئیا میں درجہ دوم تک تعلیم حاصل کی، اس وقت اس سے اونچی تعلیم کا نظم یہاں پر نہیں تھا۔ اس لیے بیسک اسکول نوگڑھ میں آپ نے

درجہ سوم میں داخلہ لیا اور درجہ چہارم پاس کیا۔ ذہانت وفطانت خداداد تھی، ذریعہ تعلیم اردو اور ہندی دونوں تھا۔ درجہ چہارم سے آگے تعلیم کا انتظام نہیں تھا اس لیے درجہ پنجم کے لیے بانسی یا اسکا بازار کا رخ کرنا پڑا۔ آپ کے خاندان کے ایک صاحب محمد سعید رحمہ اللہ تھے جو آپ کے چچازاد بھائی اور ہم درس تھے، انہوں نے اسکا بازار میں درجہ پنجم میں داخلہ لے لیا تھا۔ آپ کے والد ماجد الحاج احسان اللہ صاحب رحمہ اللہ اپنے بچے کو دینی تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے اسکا بازار میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بیسک اسکول نوگڑھ کے ہیڈ ماسٹر مولوی ولی محمد صاحب موتی پور مولانا جلال الدین صاحب کے گھر وارد ہوئے اور آپ کے پدر بزرگوار سے کہنے لگے کہ آپ کا بیٹا بڑا ہونہار ہے، اس لیے آپ کے پاس گزارش کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ درجہ پنجم میں اسکا بازار میں داخلہ کرا دیں اور آپ ہی کی خاندان کے محمد سعید نے داخلہ بھی لے لیا۔ آپ کے والد ماجد الحاج احسان اللہ صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب کی خیر خواہی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ میں اپنے اس بچہ کو عالم دین بنانا چاہتا ہوں۔ ازیں قبل میں اپنے دونوں بڑے بچوں کو بھی عالم دین بنانا چاہتا تھا، مگر قدرت الٰہیہ کو منظور نہ تھا، اب میں اپنی پوری توانائی اپنے اس بچہ کو عالم دین بنانے پر صرف کروں گا، ان شاء اللہ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے آپ کے غیر متزلزل عزم وارادہ کو دیکھ کر کامیابی وکامرانی کی دعا دیتے ہوئے واپسی کی راہ اختیار کی۔

دارالعلوم ششہنیاں:

مولانا جلال الدین کے والد ماجد آپ کو دارالعلوم ششہنیاں لے کر پہنچے۔ مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی علیہ الرحمۃ مولانا موصوف کے خالو لگتے تھے۔ اس وقت ششہنیاں کی تعلیم کا شہرہ زبان زد عوام وخواص تھا۔ مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی، مولانا محمد زماں رحمانی انتری بازار اور مولانا عبدالشکور صدیقی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم وفن سریر آرائے درس تھے۔ آپ نے تقریباً ایک سال ششہنیاں میں کسب فیض کیا۔

دارالہدیٰ یوسف پور:

دارالعلوم ششہنیاں کا محل وقوع مناسب نہیں تھا جس کی وجہ سے آپ نے بہتر تعلیم کے باوجود دارالہدیٰ یوسف پور کا رخ کیا جہاں پر سیبویہ وقت ماہر درسیات مولانا عبدالاحد صاحب قنوجی (پرینہ) مسند درس پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے جماعت اولیٰ سے جماعت ثالثہ تک کی تعلیم دارالہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی، عربی درجات میں مولانا عبدالاحد کے علاوہ مولانا عبدالرحمن جمنی بھی مدرس تھے۔ مولانا عبدالاحد صاحب رحمہ اللہ نے اس قدر عرق ریزی کے ساتھ تعلیم دیا کہ آپ کو نحو وصرف میں یک گونہ مہارت حاصل ہوگئی۔

مدرسہ فیض عام مئو:

۱۹۵۲ء میں مدرسہ فیض عام کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا، جہاں پر مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ فیض عام، مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی، مولانا عبدالرحمن نحوی، مولانا حکیم محمد سلیمان رحمانی رحمہم اللہ

جیسی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستیاں درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ مولانا عبدالاحد قنوجی رحمہ اللہ (جن کے منت کش اور احسان مند ڈاکٹر صاحب آج تک ہیں) کے حسب ایماء وارشاد فیض عام مئو میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ ۱۹۵۲ء کا سال رہا ہوگا۔ مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ نے داخلہ کا امتحان لیا۔ داخلہ امتحان کے بعد فرمایا کہ جس قدر کتابیں پڑھ کر آئے ہو اس میں کسی طرح کی کمزوری نہیں ہے لیکن منطق سے نابلد ہو اس لیے دوسری جماعت میں پڑھنا زیادہ موزوں ومناسب ہوگا۔ ناظم صاحب کا شمار ہندوستان کے صف اول کے معقولاتی فضلاء میں سے ہوتا تھا جن کی مدح وستائش میں شبیر احمد غوری جیسے معقولاتی رجسٹرار بھی رطب اللسان رہتے تھے۔ ناظم احمد صاحب اپنے تلامذہ کے اندر بھی یہ جوہر دیکھنا چاہتے تھے۔ مولانا جلال الدین صاحب جیسا علم کا حریص انسان اس زریں موقع کو کیسے ضائع کرسکتا تھا۔ آپ نے جماعت ثانیہ میں داخلہ لے لیا۔ تعلیم کا آغاز ہوا۔ ناظم محمد احمد صاحب نے کہا کہ جلال الدین جیسے ذہین طلبہ جماعت ثانیہ میں ہیں میرا دل کہتا ہے کہ ان لوگوں کو نحو میں پڑھاؤں۔ چنانچہ ناظم صاحب نے چھ چھ ماہ میں ہدایۃ النحو اور کافیہ کا درس دے کر دونوں کتابوں کو اختتام تک پہنچا دیا۔ دارالہدیٰ یوسف پور اور فیض عام کی تعلیم نے آپ کو فن نحو وصرف میں یکتائے روزگار بنا دیا۔ ناظم صاحب کی تحریض پر ہدایۃ النحو اور کافیہ کی عبارتیں اول تا آخر ازبر کیا، جب کہ دوسری کتابیں مذکورۃ الصدر اساتذہ کے پاس تھیں۔ سالانہ امتحان میں درجہ میں اول پوزیشن حاصل کی۔ دوسرے سال شوال سے جماعت ثالثہ کی تعلیم شروع ہوئی، اس وقت جماعت ثالثہ میں شرح جامی اور شرح تہذیب جیسی کتابیں داخل نصاب تھیں۔ سال قریب قریب تمام ہونے والا تھا کہ ناظم محمد احمد صاحب اور مولانا عبداللہ شائق مئوی کے درمیاں مدتوں سے جو اختلاف چلا آرہا تھا وہ ایک دم پھوٹ پڑا۔ اساتذہ، اراکین اور طلبہ سب دو گروہ میں تقسیم ہو گئے۔ اختلاف نے اس حد تک زور پکڑ لیا کہ کچھ لڑکوں نے رکشہ پر لاؤڈ اسپیکر باندھ کر پورے قصبہ میں ناظم صاحب کے خلاف نعرہ بازی شروع کر دی اور انتہائی زوروشور کے ساتھ علم بغاوت بلند کر دیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ناظم صاحب نے غیر معینہ مدت کے لیے مدرسہ بند کر دیا۔ مدرسہ بند کرنے پر بھی کچھ شر پسند طلبہ مدرسہ چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہیں تھے۔ ناظم صاحب نے بذیعہ پولیس لاٹھی چارج کروا کر مدرسہ سے باہر بھگا دیا، مقدمہ قائم ہوا۔ ناظم صاحب مقدمہ جیت گئے، فیض عام کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آگئی۔ مخالفین نے فیض عام کے مدمقابل ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام ''الجامعۃ الاثریۃ دارالحدیث'' رکھا۔ علم دین کے اصلی طلبگار اس طرح کے شروفساد میں کبھی حصہ نہیں لیتے ہیں۔ اختلاف رونما ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب مدرسہ چھوڑ کر گھر چلے آئے۔ ناظم محمد احمد صاحب نے اسٹرائک میں شریک تمام طلبہ کی ایک فہرست تیار کی اور اس کو بڑے بڑے مدارس میں بھیج دیا کہ یہ فیض عام کے باغی طلبہ ہیں جو مدرسہ میں کسی طرح داخلہ کے لائق نہیں ہیں۔

جامعہ رحمانیہ بنارس:

دارالحدیث رحمانیہ دہلی ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کارزار میں شکست وریخت سے دوچار ہوگیا۔ اہل حدیث کی ایسی مستند درسگاہ ہندوستان میں نہیں تھی۔ جس کے صدر مدرس مولانا نذیراحمد رحمانی املوی رحمہ اللہ تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے ذمہ داران کے طلب اور خواہش پر جامع المعقول درس وتدریس کے لیے احمدیہ سلفیہ دربھنگہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد عمائدین بنارس کے شدید اصرار پر جامعہ رحمانیہ بنارس کی صدارت قبول فرمالی۔ جامعہ رحمانیہ بنارس پہلے ہی سے بلند قامت مدرسہ تھا لیکن جامع المعقول والمنقول کی آمد کی وجہ سے اس کو سکنڈ دارالحدیث رحمانیہ کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے مہتمم کی طرح کوٹھی والے بھی سیر وتفریح کے لیے اپنے باغات میں طلبہ کو لے جاتے ساتھ میں باورچی بھی ہوتا اور کھانے پینے کے جملہ سامان، گوشت، بریانی، پلاؤ، زردہ اور قورمہ وغیرہ اہتمام کے ساتھ تیار کیا جاتا۔ طلبہ کھیل کود میں مشغول ہوجاتے اور جب کھانا تیار ہوجاتا خواہش کے مطابق شکم سیر کھاتے، شام کے وقت شاداں وفرحاں دارالاقامہ کی طرف لوٹ آتے۔ جامع المعقول کا نام سن کر طلبہ کشاں کشاں رحمانیہ بنارس چلے آرہے تھے مگر دارالاقامہ میں قیام کرکے پڑھنے والے طلبہ کا داخلہ جماعت رابعہ سے ہوتا تھا کیونکہ جامعہ رحمانیہ تنگ جگہ میں واقع تھا جس میں تیس چالیس سے زیادہ بچوں کے اقامت کی گنجائش نہیں تھی۔ استاذ محترم مولانا جلال الدین رحمانی نے جامعہ رحمانیہ میں داخلہ کا پختہ عزم کرلیا، مگر لوگوں کے کہنے پر وقت سے پہلے ۵؍شوال ہی کو بنارس پہنچ گئے۔ وہاں ایک بڑے کمرہ میں قاری احمد سعید صاحب رحمہ اللہ اپنے خادم کے ساتھ موجود تھے۔ قاری صاحب ہمیشہ سفروحضر میں ایک خادم اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ قاری صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے، سلام کیا، قاری صاحب نے پرتپاک طریق پر سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ آپ نے فرمایا: بستی سے، اس کے بعد دوسرا سوال کیا کہ کہاں سے پڑھ کر آئے ہو تو مولانا نے فرمایا: فیض عام مئو سے۔ قاری صاحب نے برجستہ فرمایا کہ فیض عام کے بچوں کا داخلہ نہیں ہوگا، اپنے گھر لوٹ جاؤ، آپ نے فرمایا: کیوں؟ آپ نے جواب دیا کہ فیض عام میں طلبہ نے زبردست اسٹرائک کی تھی، اس لیے وہاں کے باغی طلبہ کا داخلہ نہیں ہوسکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا: اسٹرائک سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا، قاری صاحب نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا: جلال الدین۔ قاری صاحب نے اسٹرائک میں شریک ہونے والے طلبہ کی ایک فہرست نکالی، گہرائی وگیرائی کے ساتھ اس پر نظر ڈالی، قاری صاحب نے فرمایا: تمہارا نام اس میں موجود نہیں ہے۔ پھر سوال کیا کہ کس جماعت میں پڑھتے تھے، آپ نے فرمایا: ثالثہ میں۔ قاری صاحب نے کہا کیسے داخلہ ہوگا؟ یہاں تو جماعت رابعہ سے داخلہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں رابعہ میں پڑھوں گا تیسری جماعت تو پڑھ کر آیا ہوں۔ آپ نے جواب میں اس قدر استحکام تھا کہ قاری صاحب متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا املوی صاحب ۱۰؍شوال کو آئیں گے اور وہی

داخلہ کا امتحان لیں گے۔ ایسی صورت میں قاری صاحب نے اپنے خادم کے ذریعہ سامان طیب شاہ مسجد میں پہنچا دیا اور قیام وطعام کا معقول انتظام بھی کروا دیا۔ آپ نے پانچ روز طیب شاہ مسجد میں قیام فرمایا۔ الحاج محمد صدیق اور الحاق محمد فاروق صاحبان کے یہاں سے موذن دونوں وقت کھانا لاکر دیتا تھا۔ مولانا املوی صاحب کا ورود مسعود ۱۰/شوال کو ہوا۔ قاری صاحب نے مولانا جلال الدین رحمانی صاحب کو اپنے خادم کے ذریعہ بلوا بھیجا اور مولانا املوی کو اس کی اطلاع دے دی۔ کچھ دیر بعد املوی صاحب نے آپ کو اپنے کمرہ میں بلوایا اور اسٹرائک میں شریک طلبہ پر ایک نظر ڈالی، املوی صاحب نے پوچھا کون کون سی کتابیں پڑھ کر آئے ہو۔ آپ نے شرح تہذیب، شرح جامی اور بلوغ المرام وغیرہ جتنی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں سب بتا دیا۔ املوی صاحب نے بلوغ المرام اور شرح جامی دو کتابیں منگوائیں، املوی صاحب ایک ہی کتاب میں اور ایک ہی عبارت میں سب کچھ پوچھ لیتے تھے۔ اس حرف پر ضمہ، فتحہ اور کسرہ کیوں ہے؟ اس کا عامل کیا ہے؟ اس عبارت کی نحوی ترکیب کرو، خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا کن جگہوں پر واجب ہے، یہ کون سا صیغہ ہے؟ کس باب سے ہے؟ اس کی تعلیل کرو، معرف وحجت کی تعروف کرو، حدود اربعہ کون ہیں؟ اس طرح نحو وصرف اور منطق وغیرہ سب کا امتحان ہو جاتا تھا۔

املوی صاحب نے مذکورہ طریق پر مولانا موصوف کا امتحان لیا، شاباشی دیتے ہوئے فرمایا: جاؤ تمہارا داخلہ جماعت رابعہ میں ہو گیا ہے۔ وہ طلبہ بڑے ہی خوش نصیب ہوتے تھے جو علامہ املوی کے داخلہ امتحان میں مطلوبہ جماعت میں داخلہ پا جاتے تھے۔ الحمد للہ آپ شاداں وفرحاں باہر نکلے اور مسلسل پانچ سال تک درج ذیل اساطین علم وفن سے کسب فیض کرتے رہے اور ۱۹۵۹ء میں فراغت حاصل کی۔

۱۔ جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی (۱۹۶۵ء)

۲۔ مولانا فضل الرحمن عمری اعظمی

۳۔ مفتی مولانا عبدالعزیز عمری

۴۔ مولانا عبدالوحید رحمانی سابق شیخ الجامعہ سلفیہ بنارس

رجسٹرار صاحب کا حیرت واستعجاب:

ڈاکٹر صاحب مولانا املوی رحمہ اللہ کے درس میں شریک تھے۔ ملاحسن کا درس جاری تھا، اسی اثناء میں عالی جناب شبیر احمد غوری رجسٹرار عربی وفارسی بورڈ الہ آباد جامعہ رحمانیہ میں وارد ہوئے اور درسگاہ فروکش ہوئے۔ عالی جناب شبیر احمد غوری معقولات میں یکتائے روزگار تھے۔ ہندوستان کے معقولاتی فضلاء میں آپ کا شمار صف اول میں ہوتا ہے۔ علامہ املوی کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ اگر اپنے وقت کا کوئی ابن تیمیہ درس میں پہنچ جاتا تو آپ درس نہیں بند کرتے۔ دوران درس ''شیخین'' کا لفظ آ گیا۔ رجسٹرار صاحب نے طلبہ کی صلاحیت کو پرکھنے کے لیے ''شیخین'' کا نام پوچھا۔ آپ کی جماعت میں مولانا محمد حنیف رحمانی موہن کولہ والے جیسے ذہین طلبہ موجود تھے۔ یک لمحہ کے لیے درسگاہ میں خاموشی طاری ہو گئی، اس مہر سکوت کو توڑتے ہوئے مولانا جلال الدین صاحب نے

جواب دیا کہ صحابہ میں شیخین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔ رجسٹرار صاحب نے کہا: محدثین میں؟ آپ نے فرمایا: امام بخاری اور امام مسلم۔ سوال کا سلسلہ مزید دراز ہوا، رجسٹرار صاحب نے پوچھا: فقہ میں؟ آپ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف، پھر کہا نحو میں؟ آپ نے کہا سیبویہ اور فراء۔ آخر میں سوال کیا کہ معقولات میں؟ آپ نے فرمایا: شیخ بوعلی سینا اور فارابی۔ شبیر احمد غوری جیسا علم کا بحر ذخار دنگ رہ گیا اور نام پوچھنے کے بعد فرمایا کہ جلال الدین تم میرے وہم وگمان سے بھی آگے نکل چکے ہو۔ یہ آپ کی ذہانت وفطانت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ آپ کی کن کن خوبیوں کو گناؤوں:

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

محنت شاقہ کی نادر مثال:

بسا اوقات بعض کتابیں کمیاب ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے مدرس اور طلبہ کو بس ایک دو کتابوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ اس طرح کا معاملہ اس وقت جامعہ رحمانیہ میں ہدایۃ الحکمت کے ساتھ پیش آ گیا۔ استاذ محترم نے پوری کتاب کو خوشخط مع حاشیہ کے لکھ ڈالا جس کے دیکھنے کے بعد مطبوع کتاب کا منظر سامنے آجاتا تھا۔ میں نے اور مولانا خورشید احمد سلفی حفظہ اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حال ہی میں مزید استفسارات اراس کتاب کی فوٹو حاصل کرنے کے لیے مولانا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تاکہ اس کا عکس اس مضمون میں شامل کیا جاسکے۔ مولانا نے کہا موجود تو ہے مگر کہاں ہے؟ اس وقت میں تلاش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اور یہ حقیقت بھی ہے کیوں کہ ۸۴ سال کی عمر ہوچکی ہ اور ہارٹ اٹیک کا عارضہ بھی پیش آچکا ہے۔ اس طرح کتاب مخطوط کا عکس حاصل نہ کرسکا۔ اس موقع پر استاذ محترم سے میں نے کہا کہ اس محنت کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے عہد میں آپ سے زیادہ محنتی جامعہ رحمانیہ میں کوئی طالب علم نہیں تھا۔ مولانا نے فرمایا: نہیں۔ بقیۃ السلف مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ سے زیادہ محنتی کوئی طالب نہیں تھا۔ وہ عصر بعد کمرہ بند کرکے مغرب تک پڑھتے رہتے تھے۔ الحمد للہ یہ دونوں شخصیتیں آج بھی بقید حیات ہیں۔ اللہ **يبقيهما ذخرا للإسلام،** آمین یا **رب العالمین**. عہد طالب علمی میں مولوی، عالم اور فاضل الہ آباد بورڈ کا امتحان ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۹ء میں امتیازی نمبر سے پاس کیا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ:

جامعہ رحمانیہ بنارس سے ۱۹۵۹ء میں فارغ ہوئے۔ آپ کا عزم وارادہ جامع ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔ اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تخصص فی الادب العربی میں داخلہ لیا۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جن افاضل سے کسب فیض کا سلسلہ شروع کیا ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

(۱) مولانا عبدالحفیظ بلیاوی صاحب مصباح اللغات
(۲) مولانا رابع الحسنی الندوی
(۳) ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی

●●●

وقت کی قدر کرنا سیکھیں

مولانا محمد ایوب سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جن سے ہم لطف اندوز ہو رہے ہیں اور ان نعمتوں سے مستفید ہو کر اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہی نعمتوں کی وجہ سے ہماری دنیوی زندگی پر مسرت، پر بہار، پر کیف اور پر لذت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی دنیاوی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی، اہم اور مفید نعمت ''نعمت وقت'' ہے، وقت ہی دراصل زندگی ہے اور زندگی اللہ کی بہت بڑی امانت ہے۔ ایک مومن ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیں یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ ہماری زندگی کے ایام وشب، ہماری زندگی کے لحات وساعات مفید اور بہتر کاموں میں گزر رہے ہیں یا ہم ان اوقات کو یونہی بے مقصد بے فائدہ گزارتے چلے جا رہے ہیں۔

اس دنیا میں ہر انسان کو صرف چوبیس گھنٹے ملے ہوئے ہیں۔ کسی کو زیادہ وقت ملا ہو کسی کو کم، ایسا نہیں ہے۔ ہمیں انہی چوبیس گھنٹوں میں دنیا کے سارے کام کرنے ہیں۔ ہاں! یہ بات ہے کہ ان میسر اوقات سے کام لینے والے لوگوں کی نوعیت الگ الگ ہے، کچھ لوگ انہی اوقات سے فائدہ اٹھا کر دنیا میں اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیتے ہیں کہ دنیا انہیں ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور کچھ لوگ لمبی عمر پا کر بھی بے مقصد، بے فائدہ اور لاخیرے دنیا میں پڑے رہتے ہیں۔ پھر وقت موعود آ جاتا ہے اور وہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں پھر دنیا میں کوئی ان کا نام لینے والا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے وقت کی اس بڑی نعمت سے ہمیں نوازا اور اس کی اہمیت کا ہمیں احساس بھی دلایا ہے۔ ذیل میں چند نصوص ذکر کی جارہی ہیں جن سے وقت کی اہمیت اور اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا وقت کی قسم کھا کر اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔

ارشار ربانی ہے: [وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى] (اللیل: ۱-۲) اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے اور دن کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔

نیز فرمایا:
[وَالْفَجْرِ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ] (الفجر: ۱-۲) اور فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔

اور فرمایا: [وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ، وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ] (المدثر: ۳۳ - ۳۴) اور رات کی قسم جب وہ پلٹ جائے اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔

نیز فرمایا: [وَالْعَصْرِ، إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ] (العصر: ۱، ۳)

زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہے مگر وہ خسارے میں نہیں ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ قرآن مقدس کے اندر بہت ساری آیات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وقت کی اہمیت کا شعور واحساس دلایا ہے۔محسن کائنات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی حدیثوں کے اندر وقت کی اہمیت اور اس کی قدر وقیمت کی طرف اپنی امت کی توجہ مبذول فرمائی ہے۔آپ ﷺ کی بیش بہا اور قیمتی حدیثوں میں سے ذیل کی یہ حدیث ہے،آپ نے فرمایا:

”لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن خمس، عن عمره فيما أفناه، وعن شبابه فيما أبلاه، وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وماذا عمل فيما عمل“.(۱)

قیامت کے دن بندے کا قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گا جب تک اس سے پانچ سوالات نہ کر لئے جائیں۔اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری، جوانی کے بارے میں کہ کیسے گزاری، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم سیکھا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

اس حدیث رسول ﷺ کے اندر عمر اور جوانی دو اہم چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ان دونوں کا تعلق وقت سے ہے۔ آپ ﷺ نے اس حدیث کے اندر یہ واضح فرمایا ہے کہ عمر وجوانی دونوں اہم چیزیں ہیں۔انہیں ہر انسان کو سوچ سمجھ کر گزارنے کی کوشش کرنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ اللہ کی یہ بیش بہا نعمتیں بے کار چلی جائیں۔

بخاری ومسلم کی ایک دوسری روایت کے اندر جوانی اور جوانوں کی اہمیت کو اللہ کے رسول ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:”سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله، وفيه: وشاب نشأ في عبادة الله“.(۲)

سات قسم کے لوگ اس دن عرش کے سایہ میں جگہ پائیں گے جن دن سایہ عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ان میں سے وہ جوان ہوگا جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت وبندگی میں گزاری ہوگی۔

اسلام کی بہت ساری عبادات وطاعات وقت کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔دراصل اللہ تعالیٰ نے عبادات طاعات کو وقت مخصوص کے ساتھ مقید ومحدود فرما کر وقت کی اہمیت ہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: {إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتاً} (النساء:۱۰۳) بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت پر فرض ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:{فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ}(البقرة: ۱۸۵) جو شخص ماہ رمضان کو پالے اسے اس مہینہ میں روزہ رکھنا چاہئے۔

حج کو بھی اسلام میں ایک اہم عبادت کی حیثیت حاصل ہے۔اس عبادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:{الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ} (البقرة:۱۹۷)

(۱)رواہ الترمذي في صفة القيامة برقم ۲۴۱۷ وصححہ الألبانی رحمہ اللہ

(۲)البخاری،کتاب الزکاۃ برقم ۶۶۰،ومسلم،کتاب الزکاۃ برقم ۲۳۸۰

حج کے مہینے متعین ومعلوم ہیں۔

مذکورہ نصوص شرعیہ کی طرف اشارہ کا مقصد بالکل واضح ہے۔آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ علماء وطلباء کی ایک بڑی جماعت اپنے قیمتی اوقات کو بڑی بے دردی کے ساتھ ضائع وبرباد کر رہی ہے۔ دینی مدارس کی اہمیت کا اندازہ تقریباً سب کو ہے۔ دینی مدارس سے ہی علماء ودعاۃ کی جماعت نکلتی ہے، ہر دور میں یہی جماعت دین کے تحفظ وبقاء کی ضمانت رہی ہے۔صحیح اسلامی عقائد وافکار کی نشر واشاعت کا کام اسی جماعت کے ذریعہ ہوتا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان علماء ودعاۃ سے اپنے دین کی خدمت کا کام لے رہا ہے لیکن علماء وطلباء کے اندر تضییع وقت کی ایک ایسی وباء پھیلی ہوئی ہے کہ اس کی وجہ سے جتنا فائدہ علماء ودعاۃ سے معاشرہ کو پہنچنا چاہئے بدقسمتی سے اتنا فائدہ نہیں پہنچ پا رہا ہے۔ دیکھا جا رہا ہے کہ طلباء مدارس دینیہ کے اندر داخلہ تو لے رہے ہیں، دس پندرہ سال کی بڑی مدت مدارس میں گزارتے اور ڈگریاں لے کر نکلتے بھی ہیں، لیکن پھر بھی یہ شکوہ ہے کہ باصلاحیت علماء ودعاۃ سے معاشرہ محروم ہے۔اس کے بہت سارے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ طلباء مدارس وقت کی قدر نہیں کر پا رہے ہیں، وہ وقت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا پا رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ مطلوب صلاحیتوں سے محروم رہ جاتے ہیں، ان کی اکثریت قرآن وحدیث فہمی سے محروم، حفظ نصوص سے عاری اور فقہی استنباطات واستخراج مسائل کی صلاحیتوں سے خالی رہ جا رہی ہے۔ ہندوستان میں عام دعوت کی زبان اردو ہے، علماء ودعاۃ کے اندر اس زبان میں تحریر وتقریر کی بھرپور صلاحیت موجود ہونا چاہئے لیکن افسوس کہ ان کے اندر یہ چیز بھی بہت کم ہی نظر آرہی ہے۔

طلباء کو چاہئے کہ مدارس میں موجود رہتے ہوئے وہ اپنے شب وروز کی حفاظت کریں، اپنے قیمتی اوقات سے فائدہ اٹھا کر مطلوب صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ایک طالب علم اگر اپنے اوپر فرض کر لے کہ اسے ہر روز ایک حدیث یاد کرنی ہے، اس کے لیے وہ چند منٹ خاص کر لے تو وہ ایک سال میں بہت ساری حدیثوں کا حافظ بن جائے گا۔ اسی طرح قرآن فہمی، حفظ آیات قرآنیہ اور زبان وادب سیکھنے کے لیے کچھ اوقات خاص کر لے، درسی کتب سے بھی شغف رکھے، درسی کتب کے مذاکرہ واعادہ اور حفظ کے لیے کچھ اوقات خاص ہوں، خارجی کتب کے مطالعہ کے لیے بھی کچھ وقت مخصوص کر لے تو بلا شبہ وہ متنوع وگوناگوں صلاحیتوں سے مالا مال ہو کر معاشرہ میں قدم رکھے گا، وہ معاشرہ کی ہر تعلیمی، تربیتی، دعوتی واصلاحی وتنظیمی ضرورتیں پوری کرنے کا اہل ہوگا۔ اس کی صلاحیتوں کے مفید نتائج سامنے آئیں گے، امت مسلمہ کو صحیح رخ ملے گا، معاشرہ اسلامی تعلیمات کے نور سے منور ہو جائے گا لیکن افسوس کہ اس ترقی یافتہ دور میں ترقی وتعمیر کے اہم اسباب مثلاً موبائل، نیٹ، فیس بک، واٹس ایپ اور دیگر سوشل نیٹ ورک ہی دراصل ہم مسلمانوں کی تنزلی کے ذرائع ثابت ہو رہے ہیں۔ دینی مدارس کے طلباء ان جدید ایجادات کے منفی ونقصان دہ پہلوؤں کو اپنا کر اپنی زندگی کے قیمتی اوقات ضائع کر رہے ہیں۔ ہمارے سامنے یہ مثال موجود ہے کہ ایک چھوٹا طالب علم چھ سات سال میں مدرسہ وحفظ خانہ میں

داخل ہوتا ہے۔استاد کی توجہ، اپنی بے انتہا محنت ومشقت، والدین کی خاص نگرانی وتوجہ کی برکت سے چند سالوں میں قرآن کا حافظ اور قاری بن جاتا ہے۔اسی بچہ کو آزاد چھوڑ دیا جائے یا اسے وقت ضائع کرنے والے کھلونے وآلات دے دیئے جائیں تو وہ چودہ پندرہ سال کی عمر تک ناظرہ قرآن، ابتدائی اردو، ہندی وغیرہ بھی نہیں پڑھ پاتا۔ایک ایسا بچہ جو ابھی ٹھیک سے بولنا بھی نہیں جانتا اپنی مادری زبان کے چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ ہی ادا کر پاتا ہے، اگر اس کے والدین اسے کسی انگریزی میڈیم اسکول میں ڈال دیتے ہیں تو وہ بھی چند سالوں میں انگریزی زبان بولنے ولکھنے لگتا ہے۔ظاہر ہے یہ مفید نتائج وقت کے صحیح استعمال ہی کی وجہ سے سامنے آتے ہیں۔

بہت سارے علماء مدارس سے فارغ ہوکر نکلتے ہیں۔ وہ دنیاوی کاروبار یا معاشی مشغولیات کی وجہ سے اپنی صلاحیتیں نہیں بڑھا پاتے، بلکہ جو پڑھے رہتے ہیں چند سالوں میں وہ بھی بھلا دیتے ہیں،لیکن علماء کی ایک جماعت ایسی بھی نظر آتی ہے جو کاروباری مشغولیت اور کسب معاش میں انشغال کے باوجود کچھ وقت اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے اور اپنے علمی استعداد کو وسعت دینے میں لگی رہتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ وہ تعلیمی، تصنیفی ودعوتی مختلف میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دینے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔اس کی صلاحیتوں اور اس کی عظمت ورفعت کو تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتی ہے۔ جوعلماء اپنے اوقات کی قدر وقیمت سمجھتے ہوئے تصنیف وتالیف،علمی تحقیق وبحث میں مشغول رہتے ہیں وہ صالح معاشرہ کے قیام، دینی وعلمی ورثہ کی حفاظت،علوم وفنون کی اشاعت وتعمیر اور امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی اور دین وملت کی گرانقدر خدمات انجام دے کر کامیابیوں کا سہرا اپنے سر باندھ لیتے ہیں۔موت کے بعد بھی دنیا انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور یہ خدمات ان کے لیے صدقہ جاریہ بن جاتی ہیں۔

آخر میں ہم اپنی بات اللہ کے رسول ﷺ کی اس اہم حدیث پر ختم کرنا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ**“ .(۱) دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے تئیں اکثر لوگ دھوکے میں ہیں صحت اور فراغت۔یعنی اکثر لوگ اپنی صحت کی حالت میں صحت سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے اور بہت سارے لوگ خالی وقت سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔دراصل اس حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ ہم اپنی صحت اور وقت سے فائدہ اٹھائیں اور مفید کارنامے انجام دینے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اللہ ہم علماء وطلباء کو اپنے میسر قیمتی اوقات سے فائدہ اٹھانے اور انہیں صحیح استعمال کرنے کی توفیق بخشے،آمین۔

***

(۱)رواہ البخاری فی الرقاق برقم:۶۰۴۹

عربی میں آزاد شاعری کا موجد کون؟

ڈاکٹر شمس کمال انجم
صدر شعبۂ عربی/اردو، باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری، جموں وکشمیر

عربی کا گلشن شعر وسخن زمانہ جاہلیت سے ہی تابدار رہا ہے۔اس میں ایسے ایسے منفرد وبے مثال گل ولالہ کھلے جن کی خوشبو سے عربی شاعری آج بھی معطر ومعنبر ہے۔اس میں رئیس المتغزلین استاد الشعراء امرؤ القیس کی بے محابہ غزل کی جھنکار بھی ہے تو عمرو بن کلثوم کے فخر یہ قصیدوں کی للکار بھی ہے۔زہیر بن ابی سلمی کے حکمت بھرے اشعار کے تابدار موتی بھی ہیں تو نابغہ ذبیانی کے شان وشوکت سے معمور مدحیہ قصیدے بھی ہیں۔اس میں حسان بن ثابت کی نعتیہ شاعری کا جلوہ ہے تو جریر وفرزدق اور اخطل جیسے عصر بنی امیہ کے بڑے بڑے شاعروں کی نوک جھوک کی بڑی معیاری اور عظیم شاعری بھی ہے۔اس میں متنبی جیسا شاعر اعظم بھی ہے تو ابوالعتاہیہ جیسا زاہد خشک بھی ہے۔اس میں ابونواس جیسا خمریاتی شاعری کا امام بھی ہے تو ابوالعلاء معری جیسا مشکل شاعری کا قائد بھی ہے۔اس میں بشار بن برد جیسا شاعر اعمی بھی ہے تو ابوتمام جیسا علم بدیع کی صنعتوں کو اپنے کلام میں پوری مہارت کے ساتھ برتنے والا شاعر بے مثال بھی ہے۔ الغرض سینکڑوں شعراء صدیوں عربی شاعری کے پرچم تلے اپنے فکر وفن کی نمو کرتے رہے اور اسے خون جگر سے سینچتے رہے۔

جاہلیت سے لے کر عصر اسلامی اور پھر عصر بنی امیہ اور پھر عصر بنی عباس سے ہوتے ہوئے شعر وسخن کا یہ قافلہ جب عصر جدید کی چمکتی دمکتی شاہراہوں پر پہنچا جہاں عربی ادبیات کا یورپی ادبیات سے ملن ہوا، جہاں عرب وعجم کے ادبی ورثے کا اختلاط ہوا اور باہمی اخذ وعطا اور لین دین کی راہیں ہموار ہوئیں تو عربی شاعری نے روایتی حدود وقیود کو توڑتے ہوئے عربی شاعری کی ہیئت میں جدت کا مظاہرہ کیا اور جہاں شاعری میں وزن وقوافی کے اصنام کو توڑنا جرم عظیم سمجھا جاتا تھا اب وہیں شاعری کے نئے قصر تعمیر ہونے شروع ہوئے اور شاعری کو عروضی بندشوں سے چھٹکارا دلانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ردیف وقافیے کی بیڑیوں سے نکل کر ’’آزاد شاعری‘‘ کی بنیاد رکھی گئی۔

۱۹۴۷ء کا سال اس معنی میں بڑا معنی خیز اور تاریخی رہا کہ ایک طرف ہندوستان میں استعماری طاقتوں سے آزادی کی تاریخ رقم کی گئی تو دوسری طرف نازک الملائکہ اور بدر شاکر سیاب نے عراق میں ’’الکولیرا‘‘ (کالرا، ہیضہ) اور ’’ھل کان حبا‘‘ نامی قصیدوں کے ذریعے عربی شاعری کو کلاسیکی بیڑیوں سے آزاد کرنے کی بنیاد رکھنے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب مصر میں لویس عوض، علی احمد باکثیر اور ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی عروضی پابندیوں سے ہٹ کر اور فراہیدی اصولوں سے نکل کر شاعری کی کوشش کر چکے تھے۔عراق کے عظیم شاعر جمیل صدقی زہاوی

نے نظم معرا لکھنے کا اعلان عام کر دیا تھا۔ ان سے پہلے خلیل شیبوب، محمود حسن اسماعیل، صالح جودت، سحرتی اور ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی وغیرہ نے آزاد نظم کے پیرائے میں نظمیں لکھی تھیں۔ ڈاکٹر ابوشادی کا قصیدہ ''فنان'' (ہیرو) اور ''الکرامہ'' (کرامت)، سحرتی کا قصیدہ ''شعلۃالحیاۃ'' (شعلۂ زندگی) مجلہ الامام میں دسمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئے۔ صالح جودت کا قصیدہ ''یومان'' (دو دن) مجلہ ابولو دسمبر ۱۹۳۴ء میں، محمود حسن اسماعیل کا قصیدہ ''ماتم الطبیعۃ'' (ماتم فطرت) مجلہ ابولو دسمبر ۱۹۳۳ء میں تو خلیل شیبوب کا قصیدہ ''الشراع'' (کشتی) مجلہ ابولو دسمبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان قصیدوں پر آزاد نظم کا مکمل اطلاق نہیں کیا گیا نہ ہی ان لوگوں نے آزاد نظم (الشعر الحر) لکھنے کا دعوی کیا۔ چنانچہ نازک الملائکہ نے ۱۹۴۷ء کے اواخر میں ''الکولیرا'' (ہیضہ) نامی قصیدے کی تخلیق کے بعد ''آزاد نظم'' کا موجد ہونے کا دعوی دائر کر دیا۔

نازک الملائکہ کے قصیدۂ ''الکولیرا'' کا شان نزول بھی عجیب وغریب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے اخیر میں مصر میں ہیضہ کا وبائی مرض پھیل گیا۔ پورا پورا گاؤں اس وبائی مرض کا شکار ہوا اور سیکڑوں لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ نازک اس حادثہ سے بے حد متاثر ہوئی اور اس نے ایک قصیدہ لکھا۔ یہ قصیدہ کلاسیکی انداز میں لکھا تھا مگر ہر چار شعر کے بعد قافیہ بدل جایا کرتا تھا۔ قصیدہ پورا کرنے کے بعد جب نازک نے اسے پڑھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے وہ کہہ نہیں سکی۔ لہٰذا کچھ دنوں کے بعد اس نے ایک دوسری بحر میں دوسرا قصیدہ لکھنا چاہا مگر اس بار بھی وہ اپنی کوشش سے مطمئن نہیں ہوئی۔ اسے بڑا افسوس اور غم لاحق تھا کہ وہ اپنے جذبات کا صحیح طور سے اظہار نہیں کر پا رہی ہے۔ یوں ہی افسوس اور غم میں اس کے دن گزر رہے تھے کہ ۲۷/ اکتوبر کو جمعہ کے روز اس کی نیند کھلی تو وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے بستر پر پڑی رہی۔ ادھر قصیدے میں اپنے احساسات کو صحیح طور سے قلمبند نہ کر پانے کی ناکامی کا احساس تھا تو دوسری طرف ہیضہ کے وبائی امراض سے لوگوں کی موت کا غم۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ مشغول تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ اس کے تخیل سے کچھ مصرعے جھانکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اچانک اپنی چارپائی سے اٹھی اور بغل میں تعمیر کی جانے والی ایک دومنزلہ عمارت میں قلم کاغذ لے کر بیٹھ گئی جہاں جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے کام نہیں ہو رہا تھا اور سنسان پڑا تھا۔ یہاں اس نے لکھنا شروع کیا اور آدھے گھنٹے میں ''الکولیرا'' کے عنوان سے پورا قصیدہ لکھ ڈالا۔ قصیدہ پورا ہوتے ہی وہ اچھل پڑی اور اپنی چھوٹی بہن احسان کو آواز دی۔ احسان یہ دیکھو میں نے عجیب وغریب قسم کا قصیدہ لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ قصیدہ پورے عرب میں ہنگامہ برپا کردے گا۔ اس قصیدے کو سب سے پہلے احسان نے پڑھا۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنی ماں کو دکھایا۔ اس کی ماں نے کہا یہ کیسا قصیدہ ہے؟ اس کا وزن تو عجیب سا ہے، اس میں موسیقیت بھی نہیں پائی جاتی، یہ شعر نہیں بکواس ہے۔ اس کے والد نے بھی یہ قصیدہ پڑھا اور اس پر ناک بھوں چڑھائی۔ پورے گھر میں عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا تھا، اس کے والدین اس کی اس کوشش سے ناخوش تھے۔ اس کے بھائی بہن اس کی اس کوشش پر ہنس رہے تھے۔ اس نے اپنے والد سے

کہا: ''آپ جوبھی کہیے مجھے یقین ہے یہ قصیدہ ایک دن عربی شاعری کو بدل کر رکھ دے گا'' اس کے بعد اس نے سارے لوگوں کا چیلنج قبول کرتے ہوئے اسی انداز کے اور قصیدے لکھے اور پابند شاعری تقریبا چھوڑ دی۔ اس نظم کا ایک بند آپ بھی ملاحظہ کریں ؎

طَلَع الفَجرُ
اصغِ اِلَی وَقع خُطی المَاشِینَ
فِی صَمتِ الفَجرِ،
اصْغِ، اُنظُر! رَکبَ البَاکِینَ
عَشرۃُ اَمواتٍ، عِشرونَا
لَاتُحصَی
اِصغِ لِلبَاکِینَا
اِسمَع صَوتَ الطّفلِ المِسکین
مَوتَی، مَوتَی
ضَاعَ العَدَدُ
مَوتَی مَوتَی
لَم یَبقَ غَدُ
فِی کُلِ مَکان جَسدٌ یندبُہ مَحزُون
لَالَحظَۃَ اخلاد لاصَمت
ھَذا مَا فَعلتْ کفُّ المَوت
الموتُ الموتُ الموتُ
تَشکُو البَشریّۃ تَشکُو المَوت

(صبح ہوئی، ان چلنے والے قدموں کی آہٹ سنو!
سنو! اس صبح کے سناٹے میں
دیکھو! رونے والوں کی ٹولیوں کو
دس موتیں نہیں بلکہ بیس
کتنی موتیں ہوئیں
ان کا شمار مشکل ہے
بس رونے دھونے والوں کا بین سنو
بے چارے بچوں کی چیخ سنو
ادھر بھی لاشیں، ادھر بھی لاشیں
گن نہیں سکتے
لاشیں ہی لاشیں
اب کل نہ ہوگی
ہر طرف بس لاش دکھائی دیتی ہے اور آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں
ایک پل کے لیے قرار نہیں۔ ایک لمحے کے لیے سکون نہیں۔ ہر طرف آہ وبکا ہے
یہ موت کا ظالم پنجہ ہے
موت! موت! موت! ہر طرف موت دکھائی دیتی ہے
پوری انسانیت شکوہ کناں ہے کہ موت کا یہ خونی پنجہ کس کو چھوڑے گا)

اس قصیدے نے پورے عرب میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ کسی نے کہا: اس میں وزن نہیں۔ کسی نے کہا: اس میں قافیہ ندارد ہے۔ کسی نے کہا: یہ تو نثری نظم ہے۔ کسی نے کہا: اس میں شعریت نہیں ۔کسی نے کہا: اس کے الفاظ وتراکیب بھی رکاکت آمیز ہیں۔

نازک الملائکہ نے اپنے قصیدے کے ذریعے نہ صرف آزاد شاعری کی ایجاد کا دعوی کیا بلکہ 'قضایا الشعر المعاصر'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر آزاد شاعری کے خدوخال کی تشریح وتوضیح بھی کرڈالی۔ دوسری طرف کئی بڑے بڑے ادبا وشعرا سامنے آئے اور آزاد

شاعری کو یکسر مسترد کر دیا۔مشہور ناقد عباس محمود عقاد نے آزاد شاعری کو شعر کی صنف ہی سے خارج کر دیا تو ڈاکٹر شوقی ضیف نے کہا کہ اگر اس صنف میں شاعری کرنے والوں نے اس کو متعدد قسم کے صوتی آہنگ سے مزین کر کے قافیے کی موسیقیت کے فقدان کی تلافی نہیں کی تو یہ دیر پا ثابت نہیں ہوگی کیونکہ غنائیت اور موسیقیت ہی عربی شاعری کو دنیا کی اور زبانوں کی شاعری سے ممتاز بناتی ہے۔

اسی سال یعنی ۱۹۴۷ء ہی میں سرزمین عراق سے ”أزهار ذابلة“ کے نام سے ایک اور شعری مجموعے کی اشاعت عمل میں آئی جو بدر شاکر السیاب کی کاوش تھی۔ بدر شاکر نازک سے تین سال چھوٹا تھا۔اس کے اس مجموعے میں بھی اسی انداز کی شاعری پیش کی گئی تھی۔اسی میں ”هل كان حبا“ کے عنوان سے وہ قصیدہ بھی شامل تھا جو آزاد شاعری کے فارم میں لکھا گیا تھا۔ابھی لوگ آزاد شاعری کو ہضم نہیں کر پا رہے تھے کہ بدر شاکر سیاب کے اس شعری مجموعے کی اشاعت کے ساتھ عراق کی ادبی فضا میں یہ بات موضوع بحث بن گئی کہ آخر ”آزاد شاعری“ کا خالق کون ہے؟ نازک نے قصیدۂ ”الكوليرا“ کے ذریعے اس انداز کی شاعری میں سبقت کی ہے یا بدر شاکر السیاب نے اپنے قصیدے ”هل كان حبا“ کے ذریعے؟

جلال خیاط کا خیال ہے کہ نازک کے قصیدۂ ”الكوليرا“ سے پہلے بدر شاکر سیاب کا مجموعہ ”أزهار ذابلة“ شائع ہو گیا تھا جس میں ”هل كان حبا“ نامی قصیدہ شامل تھا اس لیے بدر کو نازک پر سبقت حاصل ہوئی۔مگر مشہور ادیب و ناقد ڈاکٹر احسان عباس صاحب کے خیال میں نازک الملائکہ کو اس میں سبقت حاصل ہے اور جلال خیاط کے قول کو صحیح ہونے کی صورت میں وہ دونوں کو ہی اس حوالے سے اہم مانتے ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ آج تک عرب نقاد اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ آزاد شاعری لکھنے میں کس کو سبقت حاصل ہے۔

بہر حال آزاد شاعری کا موجد خواہ نازک الملائکہ کو تسلیم کیا جائے یا بدر شاکر سیاب کو ایک بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ نازک اور بدر شاکر نے جس آزاد شاعری کی بنیاد ڈالی تھی آج بھی وہ ہزار مخالفتوں کے باوجود پوری رفتار کے ساتھ محوسفر ہے۔نازک اور بدر کے بعد عالم عرب کے ہر ملک میں ایسے شعراء پیدا ہوئے جنہوں نے پوری شدت کے ساتھ آزاد شاعری کا پرچم بلند رکھا۔عراق میں عبدالوہاب بیاتی، مصر میں صلاح عبد الصبور، احمد عبد المعطی حجازی، لبنان میں ادونیس اور خلیل خاوی، شام میں نزار قبانی، فلسطین میں فدویٰ طوقان، محمود درویش، سمیح القاسم، وغیرہ نے آزاد شاعری کے فارم کو نہ صرف اپنایا بلکہ اتنی شد و مد کے ساتھ اس فارم میں کلام کیا کہ انہیں عالم عرب میں آزاد شاعری کا قائد اور رہنما تسلیم کیا جانے لگا۔عالم عرب سے مہاجرت کر کے امریکہ کی نئی بستیوں میں آباد ہونے والے مہجری شاعروں نے دو قدم آگے بڑھ کر اس فارم کا تجربہ کیا۔بلکہ بعض شاعروں نے تو پیرامڈ (اہرام) کی شکل میں شاعری کی اور کہا کہ پہلے مصرعے میں ایک رکن، دوسرے میں دو رکن اور تیسرے میں تین تو چوتھے اور پانچویں مصرعوں میں چار چار اور پانچ پانچ رکن ہوں اور اس کے بعد کے مصرعوں میں بالکل اس کے برعکس چار، تین، دو اور ایک رکن کا التزام کیا جائے۔اس طرح عربی زبان میں آزاد نظم نگاری کا کارواں آج بڑی آب و تاب کے ساتھ محوسفر ہے۔

☆☆☆

احساس کاالارم

ڈاکٹرعبدالکریم سلفی علیگ ر اسلامک دعوہ سنٹرممبئ

عربی مقولہ ہے:

"إذا كثر المساس قل الاحساس"

مقولے کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بار بار یا زیادہ جب کسی چیز کو چھوا یا Touch کیا جاتا ہے تو پھر چھونے کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔

کوئی بھی چیز جب انسان ایک بار اسے چھوتا ہے تو وہ چیز نئی محسوس ہوتی ہے ذھن و دماغ اس کا احساس کر پاتے ہیں، لیکن جب وہی چیز بار بار چھوئی جائے تو احساس ختم ہوجاتا ہے، چونکہ رب العالمین نے ان احساسات کے لیے دماغ میں ایسے رابطے بنائیں ہیں جو اجنبیت کو محسوس کر کے فوراً احساس دلاتے ہیں، لیکن جب یہ اجنبیت بار بار چھونے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے تو احساس ختم ہو جاتے ہیں، اسی لیے اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اسکا دل اسے ملامت کرتا ہے، اور انسان شرمندہ ہوتا ہے، دوبارہ نہ کرنے کا ارادہ بناتا ہے، توبہ استغفار کرتا ہے، اور وہ اس گناہ سے بچ جاتا ہے۔

محترم قارئین! لیکن جو توبہ نہ کرے پھر دوبارہ اس گناہ کو کرے تو اس شخص کا دل اس سے سیاہ ہونے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے اور اس مقام پر وہ شخص پہنچ جاتا ہے کہ اب اسے وہ عمل گناہ ہی نہیں محسوس ہوتا کیونکہ محسوس کرنے کی صلاحیت مسلسل کرنے کی وجہ سے زائل ہوگئی، کچھ لبرل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ جو دین دار بنتے ہیں ان کا ذھن گندہ ہوتا ہے جو لڑکیوں کے متعلق ایسا سوچتے ہیں ویسا سوچتے ہیں، دیکھو ہم بار بار گلے ملتے ہیں، بار بار ہاتھ ملاتے ہیں، ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے ہمیں تو کچھ غلط محسوس نہیں ہوتا یہ انہی مذہبی سخت گیر لوگوں کو کیوں ہوتا ہے؟

پیارو! بات دراصل یہ ہے کہ مذہبی سخت گیر حضرات کا احساس ابھی زندہ ہے، ان کا دل ابھی گناہوں سے سیاہ نہیں ہوا ہے بلکہ جب بھی کسی اجنبی عورت سے ان کا ہاتھ ٹکراتا ہے تو وہ تھراجاتے ہیں، احساس کا کنکشن کام کررہا ہوتا ہے، اور آپ لوگ جو ہمیشہ قریب سے قریب تر رہتے ہو، بار بار گلے ملنا ہاتھ کا بوسہ لینا، ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر مست و مگن ہوجانا، دراصل آپ لوگوں نے اتنا چھوا کہ لمس اور چھونے کا احساس ہی زائل ہو گیا، گناہ کسے کہتے ہیں اسکی تمیز ہی آپ سے ختم ہوگئ، اس لئے آپ جیسے آزاد اور لبرل لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا۔

ابھی کچھ دن پہلے ایک ویڈیو آئی جس میں دو برہنہ عورتیں اسلام کے برقعے پر اعتراض کرتے ہوئے نیک وصالح و زندہ دل مسلمان مرد حضرات کو چیلنج کر رہی تھی کہ تم

لوگ ہی گندے ہوتے ہو، ہم کو کیوں اس نظر سے دیکھتے ہو؟ دراصل ان لوگوں نے غیر مردوں سے اتنی لذتیں چکھ لی ہیں کہ اب گناہ کا احساس ہی ختم ہوگیا، اس لیے اب یہ کہتے پھر رہی ہیں کہ جوانہیں غلط کہے وہی غلط ہیں۔

محترم قارئین! یاد رہے پورا کھیل اسی بات کا ہے کہ **إذا کثر المساس قل الاحساس** جب خوب چھونے اور پکڑنے کا عمل زیادہ ہوتا ہے تو احساس کی صلاحیت مفقود اور ختم ہوجاتی ہے۔

رب تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کو حق پر چلنے، حق کو پہچاننے، اس کا پرچار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

●●●

سعادت کی کنجی

سعادت کی کنجی سنت کی پیروی اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں ہے۔ تمام گفتار وکردار، حرکات وسکنات یہاں تک کہ کھانے، پینے، کھڑے ہونے، بیٹھنے، سونے اور کلام کرنے میں آپ کی اقتداء کرنی چاہیے۔ میں نہیں کہتا کہ اقتدا صرف عبادات میں ہے، بلکہ عادات واطوار کے تمام کاموں میں بھی ہے۔

امام غزالی

الاربعین فی أصول الدین ص ۱۰۲

اسباب زوال امت

پہلا سبب: خلافت اسلامیہ کا خاتمہ

دوسرا سبب: دین کوملکی آئین سے الگ تھلگ کرنا

تیسرا سبب: دشمن کے سامنے نفسیاتی مغلوبیت

چوتھا سبب: اسلامی اور عصری علوم میں مسلمانوں کی پسماندگی

پانچواں سبب: مغربی تہذیب کو آئیڈیل بنانا

چھٹا سبب: اختلاف وانتشار کے باوجود دشمنوں کا باہمی اتحاد

ساتواں سبب: عقیدہ توحید سے انحراف

مذکورہ اسباب کے علاوہ امت اسلامیہ کی ہزیمت وریخت اور پسماندگی کے دیگر اسباب بھی ہیں مثلا مسلمانوں کے خلاف مستشرقین کی صف آرائی، مسلمانوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں کا وجود، قابل اتباع اور خصائل حمیدہ کے حامل علماء اور قائدین کا فقدان، نوجوان نسل میں فکری انحراف اور صحیح اسلامی تربیت کا فقدان نیز مسلم معاشرہ میں عصبیت اور قبائلی بنیادوں پر امتیازی سلوک کے علاوہ اپنی عظمت رفتہ اور تاریخی کارناموں سے چشم پوشی اس امت کے تنزل وادبار کے اسباب ہیں۔

شیخ زاہدالکوثری: افکارونظریات کے آئینہ میں

محمد عمرصلاح الدین رکلیۃ الحدیث سال دوم

بلاشبہ علم دین اللہ رب العزت کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جو شخص اس علم کا حامل اور اس قیمتی زیور سے آراستہ ہو وہ سعید، خوش بخت اور قابل رشک ہے۔ اگر وہ حقیقی معنوں میں اپنے علم ومعرفت اور فہم وفراست کا استعمال اللہ مالک الملک کی توحید والوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی نشرواشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے کررہا ہے تو وہ بلاشبہ ایسے لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: {يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ} (۱) کہ اللہ تعالی تم میں سے جومومنین اور اہل علم ہیں ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر کوئی شخص اللہ مالک الملک کے عطا کردہ نعمت کو اتباع ہوی، نفس پرستی، مکروفریب، دسیسہ کاری اور تلبیس وتدجیل کا ذریعہ اور وسیلہ بنائے، وہ چاہے کتنا بڑا علامہ وفہامہ ہی کیوں نہ ہو وہ انہیں لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: {أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً} (۲) کہ ایسے لوگ علم کی روشنی پانے کے بعد بھی ضلالت وگمراہی کی تاریکی ہی میں رہتے ہیں۔

ماضی قریب میں ایک شخصیت ایسی ہی گزری ہے جسے اہل علم حضرات ''زاہد بن حسن الکوثری الجرکسی الترکی'' متوفی (۱۳۷۱ھ) کے نام سے جانتے ہیں، جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو خدمت دین، تفہیم اسلام اور صیانت حدیث کے بجائے تائید حنفیت، فروغ جہمیت اور بدعت وتصوف کی نشر واشاعت میں وقف کردیا۔ موصوف نے جس انداز سے اپنی کتابوں میں اپنے افکارونظریات اور آراء وخیالات کی ترجمانی کی ہے ماضی میں اس کی نظیر ومثیل علماء احناف میں سے شاید تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی ودیوبندی حلقہ میں انہیں بڑی زبردست پذیرائی حاصل ہے۔

سب سے پہلے شیخ زاہدالکوثری کی شخصیت اور ان کی تصنیفات کے سلسلے میں اہل علم حضرات کے تاثرات وخیالات پیش خدمت ہیں تاکہ قارئین ان کی شخصیت اور ان کے نشترقلم سے متعارف اور واقف ہوسکیں۔

علماء کے اقوال:

۱۔ شیخ عبدالرحمن بن یحیی المعلمی الیمانی متوفی (۱۳۸۶ھ) رحمہ اللہ:

شیخ معلمی اپنی مشہور کتاب ''التنکیل'' کے مقدمہ میں

(۱) سورۃ المجادلہ (۱۱) (۲) سورۃ الجاثیہ (۲۳)

لکھتے ہیں: ”فرأيت الأستاذ تعدى ما يوافقه أهل العلم من توقير أبي حنيفة وحسن الذب عنه إلى ما لا يرضاه عالم متثبت من المغالطات المضادة للأمانة العلمية، ومن التخليط في القواعد، والطعن في أئمة السنة ونقلتها، حتى تناول بعض أفاضل الصحابة، والتابعين، والأئمة الثلاثة، مالكا، والشافعي، وأحمد، وأضرابهم، وكبار أئمة الحديث، ثقات نقلته، والرد لأحاديث صحيحة ثابتة، والعيب للعقيدة السلفية“ تو میں نے استاد (کوثری) کو دیکھا کہ اہل علم نے امام ابوحنیفہ کی جس قدرعزت وتکریم اور حسن مدافعت پر اتفاق کیا ہے، اس سے تجاوز کرتے ہوئے علمی امانت کے خلاف ایسے مغالطات، قواعد وضوابط میں آمیزش نیز ائمہ حدیث اور ناقلین سنت کے بارے میں طعن وتشنیع کیک ہے جس سے ایک محتاط عالم دین کبھی راضی نہیں ہوسکتا ہے حتی کہ بعض افاضل صحابہ کرام، تابعین عظام، امام مالک، شافعی، احمد اور دیگر کبار محدثین وثقہ راویانِ حدیث کو اپنے طعن کے زد میں لیا ہے اور (دفاع حنفیت) میں صحیح ثابت کی تردید اور سلفی عقیدے کی عیب جوئی کی ہے۔(۱)

۲۔ شیخ سلیمان بن الضیع متوفی (۱۳۸۹ھ) رحمہ اللہ:

موصوف کوثری کے بارے میں شیخ الضیع فرماتے ہیں: ”الذي يظهر لي أن الرجل يرتجل الكذب“ میرے سامنے جو بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ کہ (کوثری) جھوٹ بولنے میں ماہر ہے۔(۲)

۳۔ شیخ عبدالرزاق حمزہ متوفی (۱۳۹۲ھ):

شیخ موصوف صفات کے باب میں جناب کوثری کی جہمیت اور جہابذہ ائمہ کرام کی کردارکشی کرنے کی وجہ سے علی الاعلان اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لا نهن ولا نخاف ولا يزعجنا تنبز الألقاب كحشوية ومجسمة......وإن شاء الكوثري أن نباهله أن ذلك هو الصراط المستقيم والسبيل السوي ودين الله الذي جاء ت به رسله من أولهم إلى آخرهم“ ہم کمزور ہیں اور نہ ہی ہمیں کسی کا ڈر ہے اور نہ ہی حشویہ اور مجسمہ جیسے برے القاب کی کوئی ہمیں پرواہ ہے............اگر کوثری چاہے تو ہم اس بات پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہیں کہ یہی (سلف کا منہج) صراط مستقیم اور سیدھا راستہ ہے، یہی اولین وآخرین تمام رسولوں کا دین ہے۔(۳)

۴۔ شیخ محب الدین الخطیب متوفی (۱۳۸۹ھ) رحمہ اللہ:

محترم موصوف فرماتے ہیں: ”ومن أمثلة بغضه للسلف أنه لما أراد أن يكتب ترجمة الإمام ابن قتيبة في ثلاثة سطور لم يجد ما يقوله فيه غير هذه

(۱) التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل، ص: ۹، المكتب الإسلامي، بيروت۔

(۲) طليعة التنكيل، ص: ۷۵۲ بحواله تعليمات العلامة محمد بن مانع على مقالات الكوثري وبعض كتبه للشيخ سليمان بن صالح الخراتشي، ص: ۸۳

(۳) المقابلة بين الهدي والضلال للشيخ عبد الرزاق حمزه، ص: ۷۳ بحواله ”تعليقات العلامة محمد بن مانع على مقالات الكوثري، ص: ۹۳

الکلمات......الخ" (کوثری جس طرح سے سلف سے بغض رکھنے میں مشہور ومعروف ہے) اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اس نے جب امام ابن قتیبہ کے بارے میں تین سطر لکھنا چاہا تو اس نے ان کے بارے میں ان چند کلمات کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔(۱)

۵۔ شیخ محمد خلیل ھراس متوفی (۱۳۹۵ھ) رحمہ اللہ:

شیخ موصوف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شرح العقیدہ الاسلامیہ" میں لکھا ہے: "حامل لواء التجهم والتعطيل زاهد الكوثري" یعنی تجہم اور تعطیل کے علمبردار زاہد کوثری۔ نیز حاشیہ میں لکھتے ہیں: "فقيه حنفي متعصب جركسي الأصل، حاقد على أهل السنة كتبه تطفح بسبهم وشتمهم" متعصب حنفی فقیہ، جرکسی الاصل عقائد میں جہمی اور اہل سنت کے خلاف کینہ پرور تھا، اس کی کتابیں گالیوں سے بھری پڑی ہیں۔(۲)

۶۔ شیخ محمد بہجت البیطار متوفی (۱۳۹۶ھ) رحمہ اللہ:

موصوف نے "الکوثری وتعلیقاتہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس کے آخر میں یوں رقمطراز ہیں: "وجملة القول أن هذا الرجل لا يعتمد بعقله ولا بنقله ولا بعلمه ولا بدينه" خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس شخص (کوثری) کے عقل ونقل پر اعتماد وبھروسہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے علم ودین پر۔(۳)

۷۔ ڈاکٹر بکر بن عبداللہ ابوزید متوفی (۱۴۲۹ھ) رحمہ اللہ:

انہوں نے شیخ کوثری اور ان کے "تلمیذ رشید" عبدالفتاح ابوغدہ (۴) کے بارے میں ایک مختصر رسالہ بنام "براءة أهل السنة من الوقيعة في علماء الأمة" تصنیف کی جس میں شیخ کوثری کے ہفوات وفضائح اور ائمہ کرام کے بارے میں ان کی کرم فرمائیوں کا جائزہ لیا ہے۔

۸۔ شیخ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز متوفی (۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ:

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے رسالہ مذکور (براءة أهل السنة من الوقيعة في علماء الأمة) پر ایک وقیع مقدمہ لکھا جس میں مصنف رسالہ سے یوں مخاطب ہوئے ہیں: "وفضحتم فيها المجرم الآثم محمد زاهد الكوثري بنقل ما كتبه من السب والشتم والقذف لأهل العلم

---

(۱) تعلیقات العلامہ ابن مانع علی مقالات الکوثری ص ۴۵

(۲) شرح العقیدہ الواسطیہ، ص: ۱۰۴

(۳) الکوثری وتعلیقاتہ ص: ۳۴

(۴) شیخ عبدالفتاح ابوغدہ متوفی (۱۴۱۷ھ) جو علماء اہل حدیث سے بغض وحسد، عداوت ونفرت اور محدثین کرام کے بارے میں زبان درازی اور مطلق العنانی میں کوثری المشرب تھے، افکار ونظریات کے سلسلے میں کوثریت کا سایہ یوں پڑا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ "الحنفی الکوثری" کا بھی لاحقہ لگاتے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمة شرح العقيدة الطحاوية للشيخ الألباني، كشف النقاب عما في كلمات أبي غدة من الأباطيل والافتراءات، السيف الصيقل العبقري على أباطيل تلميذ الكوثري للشيخ عبد العزيز حمزه الريعان، زوابع في وجه السنة قديما وحديثا للشيخ صلاح الدين مقبول أحمد مدني حفظه الله، الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأي المدهشة بتحقيق الشيخ صلاح الدين مقبول أحمد مدني۔

والإيمان واستطالته في أعراضهم..." یعنی آپ نے اپنے رسالہ میں زاہدالکوثری گنہگار مجرم کی فضیحت کی ہے اس لیے کہ کوثری نے مومنین اہل علم کے بارے میں سب وشتم اوران کے بارے میں زبان درازی کی ہے۔(۱)

۹۔محدث العصر شیخ محمد ناصرالدین البانی متوفی (۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ:

شیخ البانی رحمہ اللہ "شرح العقیدہ الطحاویہ" کے اپنے طویل مقدمے میں لکھتے ہیں: "كأن-والحق أن يقال-على حظ وافر من العلم بالحديث ورجاله ولكنه-مع الأسف-كأن علمه حجة عليه ووبالا......فهو جهمي معطل حنفي هالک في التعصب، شديد الطعن والتحامل على أهل الحديث قاطبة......" حقیقی بات یہ ہے کہ کوثری علم حدیث اورمعرفت رجال میں مہارت رکھنے کے باوجود اس کا علم اس کے اوپر حجت اور وبال جان ہی ثابت رہا............وہ حقیقت میں جہمی معطل، مذہبی تعصب میں ڈوبا ہوا حنفی (عالم) اور محدثین پر ظلم وزیادتی اورانہیں مطعون کرنے میں ماہر تھا۔(۲)

۱۰۔محدث یمن شیخ مقبل بن ہادی الوداعی متوفی (۱۴۲۲ھ) رحمہ اللہ:

شیخ الوداعی نے امام بیہقی متوفی (۴۵۸ھ) رحمہ اللہ کی مشہور کتاب "الاسماء والصفات" پر ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں یوں لکھتے ہیں: "فقد قام علماءنا رحمهم الله بالرد على أئمة الضلال، خصوصاً فيما يتعلق بالعقيدة، وكان من أجمع ما كتب فيما يتعلق بالأسماء والصفات: كتاب (الأسماء والصفات) للحافظ البيهقي رحمه الله، إلا أنه كان قد دنسه (محمد زاهد الكوثري) بتعليقاته الزائغة وليس له هم إلا الرد على عقيدة أهل السنة" درحقیقت ہمارے علماء سلف رحمہم اللہ نے ائمہ سوء کی بالخصوص عقائد کے بارے میں زبردست تردید کی ہے۔(توحید) اسماء وصفات سے متعلق امام بیہقی رحمہ اللہ کی "الاسماء والصفات" ایک بہترین کتاب ہے لیکن کوثری نے اس کتاب کو اپنی گمراہ کن تعلیقات (وحواشی) سے داغدار کردیا ہے جس کا مقصد صرف اہل سنت وجماعت کے عقائد ونظریات کی تردید کرنا ہے۔(۳)

یہ دس ثقہ اہل علم کے اقوال وآراء، زاہدالکوثری کی شخصیت اوراس کے افکارونظریات کے سلسلے میں پیش کئے گئے جس سے اس امر کا انکشاف بخوبی ہوجاتا ہے کہ وہ ایک متعصب حنفی، عقائد ونظریات میں جہمی العقیدہ اور باوجود غزارت علم کے ضال اورگمراہ تھا۔

چند بدعی عقائدوافکار:

شیخ کوثری صفات باری تعالیٰ کے باب میں قرآن

---

(۱) مقدمہ رسالہ، ص:۳

(۲) مقدمہ شرح العقیدہ الطحاویہ، ص:۵۵، شیخ البانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ" میں شیخ کوثری کی جابجا تردید کرتے ہیں مثلاً دیکھئے حدیث نمبر ۳۲، ۵۲، ۸۴۴، ۹۴۴، ۱۸۸۰،۷۵

(۳) تعليقات العلامة محمد بن مانع على مقالات الكوثري وبعض كتبه، ص:۱۹

وسنت کے واضح نصوص سے ثابت شدہ صفات کی تاویل اور اس کی غیر حقیقی معانی پر منطبق کرنے میں جہمی المسلک تھے اور سلف صالحین اہل سنت وجماعت کو حشویہ اور مجسمہ جیسے نازیبا القاب سے ملقب کرتے تھے جو درحقیقت اہل بدعت اور زنادقہ کی علامت ہے۔ اسی لیے امام ابن ابی حاتم الرازی متوفی (۳۲۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علامة أهل البدع الوقيعة في أهل الأثر وعلامة الزنادقة تسميتهم أهل الأثر حشوية" کہ اہل بدعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ محدثین کرام (رحمہم اللہ) کے بارے میں اہانت آمیز کلمات کہتے ہیں اور زنادقہ کی علامت یہ ہے کہ وہ انہیں حشویہ (جو جسمیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں) کہتے ہیں۔(۱)

ذیل میں شیخ کوثری کے چند بدعی افکارونظریات کو مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے، تفصیل کی گنجائش نہیں ہے بس نفس مسئلہ کو بحوالہ بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کوثری کا خیال ہے کہ باری تعالیٰ کی معرفت کا وجوب عقل ونظر سے حاصل ہوتی ہے، ان کے الفاظ ہیں: "المرضی عند محققي الأشاعرة وجوب معرفة الله قبل ورود الشرع كقول الماتريدية على حد سوا" محققین اشاعرہ کے نزدیک بغیر کسی شرعی دلیل کے ہی عقلاً اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے بالکل یہی قول ماتریدیہ کا ہے۔"(۲)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ایمان اور معرفت باری تعالیٰ کا دارومدار اور انحصار عقل پر نہیں البتہ اس کا دخل ضرور ہے لہٰذا اسے بغیر کسی دلیل شرعی کے معیار اور کسوٹی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ علماء سلف مشروع وسیلہ کے قائل ہیں مثلاً اللہ کے اسماء وصفات، ایمان وعمل کا وسیلہ، فقر ومحتاجگی کا اظہار اور گناہوں کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کا وسیلہ تلاش کرنا۔

مذکورہ ان تمام امور سے صرف نظر شیخ کوثری زندہ ومردہ اشخاص سے توسل کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ انہوں نے "محق التقول في مسألة التوسل" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس میں "توسل" کے نام سے جتنی باطل اور رکیک کی جاسکتی ہیں ان سب کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی رائے کی تائید وتوثیق میں نامسعود کوشش کی ہے اور اہل سنت وجماعت پر یوں حملہ آور ہیں" نرى طائفة الحشوية يحاولون إكفار الأمة جمعاء بين حين وآخر بسبب أنهم يزورون القبور ويتوسلون إلى الله بالأخيار، وكأنهم بذلك أصبحوا عباد الأوثان فحاشاهم من ذلك" ہم دیکھتے ہیں کہ طائفہ حشویہ(۳) پوری امت کو صرف اس وجہ سے کافر کہہ رہے ہیں کہ وہ قبروں کی زیارت اور اخیار وصالحین کے ذریعہ وسیلہ پکڑتے ہیں گویا کہ وہ اس عمل کی وجہ سے بت پرست ہیں ایسے لوگوں سے اللہ کی پناہ۔(۴)

(۱) أصول السنة واعتقاد الدين للإمام ابن أبي حاتم رحمه الله بحواله "سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، ح/۲، ۳۲، ۱۸/۱"۔
(۲) حاشية التبصير في الدين للإسفرائيني، ص: ۱۰۵ بحواله "زاهد الكوثري وآراؤه الاعتقادية"، ص: ۱۰۸۔
(۳) اس سے مراد اہل حدیث ہیں جنہیں مبتدعین "حشویہ" وغیرہ الفاظ سے طعن دیتے ہیں۔
(۴) مقالات الكوثري، ص: ۹۳۳، المكتبة التوقيفية، قاهره، مصر۔

درحقیقت شیخ کوثری کا اہل سنت وجماعت پر بے بنیادالزام ہے کہ وہ محض زیارت قبور کی بنا پر تکفیر کرتے ہیں ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں زیارت قبور کی مشروعیت وارد ہے۔(۱)

یہی نہیں بلکہ حضرت کوثری یہاں تک کہہ رہے ہیں "وعلى التوسل بالأنبياء والصالحين أحياء وأمواتا جرت الأمة طبقة فطبقة" کہ زندہ ومردہ انبیاء وصالحین سے وسیلہ پکڑنے پر امت کے ایک طبقہ کا مسلسل عمل رہا ہے۔(۲)

گویا شیخ کوثری کے نزدیک "توسل بالانبیاء والصالحین" پر اجماع ہے۔نعوذباللہ۔

۳۔غیر اللہ سے استغاثہ وفریادرسی حرام اور شرک ہے۔فرقہ دیوبندیہ کے شیخ الہند محمودالحسن دیوبندی نے ایسے شخص کو "مشرک" کہا ہے۔(۳)

لیکن اس کے برعکس شیخ کوثری "استغاثہ بغیراللہ" کے جواز کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ بندہ سبب اور وسیلہ سمجھ کر کسی سے بھی دست سوال دراز کرسکتا ہے کیونکہ مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "والمدد كله عند الجميع من مسبب الأسباب جل جلاله" کہ تمام علمائ(رازی، جرجانی، تفتازی) کے نزدیک مدداللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔(۴)

اورعبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث "وإذا استعنت فاستعن بالله" یعنی مددطلب کروتواللہ سے طلب کرو۔(۵) کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ بندہ کسی سے بھی مدد طلب کرے لیکن مسبب الاسباب (اللہ) کو نہ بھولے۔(۶)

یعنی شیخ کوثری کے نزدیک تب بھی ایسی حالت میں وہ پکا مومن ہی ہوگا مشرک نہیں ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ہے مشرکوں،قبر پرستوں کے لیے راستہ کھولنا اور "قوی دلائل" فراہم کرنا۔

۴۔صحیح مسلم (۹۶۹) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قبروں کو پختہ بنانے کی صریح ممانعت ہے لیکن اس مسئلے کی مخالفت کرتے ہوئے شیخ کوثری نے "بناء مساجد على القبور والصلاة إليها" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس میں وہ قبروں پرقبہ بنانے کوسلف وخلف میں امت کا مسلسل عمل نقل کرتے ہیں۔(۷)

اسی طرح "الهجرة النبوية" کے زیرعنوان یوں

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث(۹۷۶)۔
(۲) مقالات الكوثري ص:۴۳۰
(۳) فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۸۰،زکریا بک ڈپو دیوبند،سہارنپور (۴) مقالات الكوثري ص:۲۴۳
(۵) سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقاق والورع عن رسول اللہ صلى الله عليه وسلم، حديث(۲۵۱۶) حسنه الشيخ زبير علي زئی رحمہ اللہ۔
(۶) مقالات الكوثري ص:۳۵۵-۳۵۴ (۷) مقالات الكوثري ص:۱۵۳

رقمطراز ہیں: ”إن کان بناء القباب علی القبور بدعة منکرة ما أقرت الأمة من صدر الإسلام إلی الیوم“ اگر قبروں پر قبوں کا بنانا بدعت منکرہ ہوتی تو شروع اسلام سے لے کر آج تک امت اس پر عمل نہ کرتی۔(۱) سبحانک هذا بهتان عظیم۔

۵۔شریعت اسلامیہ نے شرک وقبر پرستی کے سد باب کے لیے تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے علاوہ دوسرے مقامات واماکن کی طرف رخت سفر باندھنے سے منع کیا ہے جبکہ شیخ کوثری نے صحیحین میں موجود احادیث کی صریح مخالفت کرتے ہوئے دیگر مقامات کی طرف سفر کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔(۲)

۶۔قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ سے کلام کا غیر مخلوق ہونا ثابت ہے۔ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ متوفی (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”معتقد السلف الصالح في القرآن الکریم أنه کلام اللّٰہ غیر مخلوق تکلم به حقیقة، تکلم به بحروفه ومعانیه، سمعه جبریل فأسمعه نبینا صلی اللہ علیه وسلم، منه بدأ وإلیه یعود“ قرآن کریم کے بارے میں سلف کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے جسے درحقیقت حروف ومعانی سمیت اللہ نے کلام کیا ہے جبریل علیہ السلام نے اسے سن کر ہمارے (آخری) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اسی اللہ کی جانب سے اس کلام کی ابتداء ہوئی اور اس کی طرف لوٹ جائے گا۔(۳)

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی (۳۲۱ھ) رحمہ اللہ نے اہل سنت وجماعت کا یہی موقف بیان کیا ہے۔(۴)

لیکن شیخ کوثری اس موقف میں ماتریدیہ کے منہج پر ہیں، فرماتے ہیں: ”والقرآن کلام اللّٰہ قائم به قدیم بقدمه لیس بحرف ولا صوت“ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اسی کے ساتھ قدیم ہے، نہ کہ حروف واصوات اللہ کی جانب سے ہیں۔(۵)

۷۔یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صفات باری کے سلسلے میں شیخ کوثری کا وہی موقف ہے جو جہمیہ معطلہ کا ہے اس کی بہت ساری مثالیں ان کی تحقیقات وتالیفات میں مل سکتی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”زاهد الکوثري وآراؤه الاعتقادیة: عرض ونقد“ للشیخ عبد اللہ بن عبدالرحمن الفهید.

۸۔عید میلاد النبی کی مناسبت سے مجلس منعقد کرنے اور منانے کو علماء نے ”بدعت“ قرار دیا ہے بلکہ محمود الحسن دیوبندی صاحب کے نزدیک ”غیر مشروع عمل“ ہے۔(۶) اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک وہ شخص فاسق

---

(۱) ایضاً، ص: ۵۸۳

(۲) زاهد الکوثري وآراؤه الاعتقادیة: عرض ونقد، ص ۹۴۲۔

(۳) مجموع الفتاوی ۶/۵۱۳، ۱۲/۳۷-۸۳۔

(۴) شرح العقیدة الطحاویة، ص: ۱۶۸، المکتب الإسلامي، بیروت۔

(۵) حاشیة کتاب الأسماء والصفات للبیهقي، ص: ۲۴۶

(۶) فتاوی محمودیہ: ۱/۱۷۸

ہے ج عید میلاد النبی کا قائل ہے۔(۱)

جبکہ انہی کے ہم مشرب شیخ کوثری نے ”المولد النبوي الشريف“ کے زیر عنوان عید میلاد النبی کو ان الفاظ میں ’عادت متبعہ‘ قرار دیا ہے: ”والعادة المتعبة في البلاد الإسلامية الاحتفال بالمولد الشريف في الليلة الثانية عشرة من شهر ربيع الأول“ یعنی ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو عید میلاد کی مناسبت سے جشن منانا بلاد اسلامیہ کا ’’عمل مسلسل‘‘ ہے۔(۲)

گویا شیخ کوثری کے نزدیک مروجہ عید میلاد النبی منانا اوراس کی مناسبت سے مجالس منعقد کرنا جائز ہے اس لیے کہ بلاد اسلامیہ میں یہ ’’مسلسل عمل‘‘ رہا ہے۔سبحان اللہ۔

بہر حال یہ ہے ’’فقہ کوثری‘‘ جو صریح کتاب وسنت اور منہج سلف کے معارض ومخالف ہے، اس کے علاوہ ایسے اور بہت سے اعتقادی اور فکری مسائل ہیں جس میں شیخ کوثری واضح ثابت شدہ نصوص کی مخالفت کرتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ ائمہ حق کو سب وشتم کرنے سے نہیں چوکتے ہیں۔غالباً ان کی اسی جرأت کی بنا پر مولانا محمد یوسف بنوری (مشہور دیوبندی عالم دین) نے ان کی بڑی تحسین فرمائی ہے۔’’مقالات الکوثری‘‘ کے مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے ’’حنفي حنيفي يهدم الأصنام كبيرها وصغيرها“ وہ ایسے مخلص حنفی ہیں جو ہر چھوٹے بڑے بت کو پاش پاش کرتے ہیں۔(۳)

نیز فرمایا: ”كان سيفا صقيلا وصارما مسلولا ومهندا مشهورا“ وہ چمکتی، سونتی ہوئی، تلوار اور مشہور ہندی لوہے کی تلوار تھے۔(۴)

اللہ تعالیٰ ایسے سیف صقیل اور صارم مسلول سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے، آمین۔

●●●

دعائے نبوی

بدنصیب وہ ہے جو فجر کے وقت سویا رہتا ہے اورلوگوں سے تنگی رزق کا شکوہ کرتا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے دعا فرمائی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا

اے اللہ میری امت کے لیے صبح میں برکت عطا فرما۔

---

(۱) فتاوی رشیدیہ، ص:۱۱۸، مکتبہ تھانوی دیوبند
(۲) مقالات الکوثري، ص۳۶۹
(۳) مقالات الکوثري، ص۶
(۴) ایضا ص۷

عالم اسلام

ظل الرحمن فائق بندوی
سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ، بنارس

بیت المقدس اسلامی دنیا کا مستقل ثقافتی دار الحکومت قرار پایا:

(او آئی سی) اسلامی تعاون کونسل کے زیر اہتمام خلیجی ریاست بحرین کے دارالحکومت ''منامہ'' میں منعقدہ اسلامی ثقافتی کانفرنس میں مقبوضہ بیت المقدس کو عالم اسلام کا دائمی ثقافتی دار الخلافہ قرار دیا گیا ہے۔ مرکز اطلاعات فلسطین کے مطابق مسلم ممالک کے وزراء ثقافت کا ''منامہ'' میں خصوصی اجلاس منعقد ہوا، جس میں بالاتفاق بیت المقدس کو اسلامی ثقافتی دارالحکومت قرار دیا گیا۔ اجلاس میں بیت المقدس کی ثقافت اور تہذیب کے تحفظ کے لیے فوری اقدامات کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ کانفرنس سے خطاب میں او آئی سی (OIC) کی سائنسی وثقافتی کمیٹی ''آئسیسکو'' کے ڈائریکٹر جنرل عبدالعزیز التویجری نے کہا کہ اسرائیل ایک منصوبہ بند سوچ کے تحت القدس کی اسلامی تہذیب وثقافت کی علامات کو مٹا رہا ہے۔ لہذا عالم اسلام بالخصوص او آئی سی کے ارکان ممالک کو القدس کی تہذیب وثقافت کے تحفظ کے لیے مؤثر اور دیرپا اقدامات کرنے ہوں گے۔ (نیوز نور: ۳/ ۱۲/ ۲۰۱۸ء، وارث اودھ: ۳/ ۱۲/ ۲۰۱۸ء)

عالمی امن نوبیل انعام ۲۰۱۸ء:

سال رواں ۲۰۱۸ء کے عالمی امن نوبیل ایوارڈ کا اعلان ''اوسلو'' (جو ناروے کا دارالحکومت ہے) میں منعقدہ تقریب میں کردیا گیا ہے۔ جہاں عراق کی یزیدی خاتون نادیہ مراد اور ڈاکٹر ڈینس موکیگی کو امن نوبیل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ واضح ہو کہ اوسلو میں منعقدہ تقریب کے دوران نادیہ مراد اور ڈاکٹر ڈینس موکیگی کو گولڈ میڈل، ڈپلومہ اور دس لاکھ ڈالرز کی انعامی رقم جیتنے والی دونوں شخصیات کے مابین تقسیم ہوگی۔

نادی مراد کو داعش کی غلامی سے فرار ہونے کے بعد خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے پر امن نوبیل ایوارڈ یافتہ قرار دیا گیا، جبکہ ڈاکٹر ڈینس موکیگی جس کو تشدد کا نشانہ بننے والی خواتین کی مدد کرنے پر نوبیل امن انعام سے نوازا گیا۔ (نوائے وقت: ۱۲/ ۱۲/ ۲۰۱۸ء، آواز ملک: ۱۲/ ۱۲/ ۲۰۱۸ء)

+++

اخبار جامعہ سلفیہ بنارس

اساتذۂ جامعہ حفظہم اللہ کے ساتھ محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ کی ایک خصوصی میٹنگ:

محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبد اللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کی طلب پر ۱۴ رجنوری ۲۰۱۹ء بروز سوموار ''غرفۃ الاساتذۃ'' میں ایک خصوصی میٹنگ کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں تمام اساتذۂ کرام حفظہم اللہ نے شرکت فرمائی۔ محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ نے شرکائے میٹنگ کو ایک عظیم خوش خبری سناتے ہوئے کہا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ سلفیہ بنارس کے درمیان ''مذکرۃ التفاھم'' کی کارروائی مکمل ہوگئی، فالحمد للہ علی ذلک۔

اب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ سلفیہ بنارس دونوں اداروں کے درمیان تعلیمی واکیڈمی، محاضرات وندوات، بحوث علمیہ ومخطوطات، دورات شرعیہ وتدریبیہ، اساتذہ ونصاب تعلیم وغیرہ تعلیمی وتربیتی امور کا تبادلہ آسان ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

اس کے بعد محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ نے سترہ مواد پر مشتمل ''مذکرۃ التفاھم'' کی تفصیل بتانے کے لیے جامعہ کے مؤقر استاد فضیلۃ الدکتور عبد الصبور صاحب مدنی حفظہ اللہ کو مکلف کیا۔ دکتور موصوف نے بالترتیب تمام مواد کی بہترین توضیح فرمائی اور ایک ایک پوائنٹ کی تشریح اساتذۂ کرام کے سامنے پیش کی۔

محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبد اللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ نے ''مذکرۃ التفاھم'' کو جامعہ کی ایک غیر معمولی اور تاریخی کامیابی قرار دیا اور فرمایا کہ گذشتہ کئی سالوں سے اس کے لیے کوششیں کی جارہی تھیں۔ اللہ نے ہماری کوششوں اور محنتوں کو قبول فرمالیا اور جامعہ کا ایک اہم خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ''مذکرۃ التفاھم'' درحقیقت اللہ تعالی کی عطا کردہ ہمارے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ یقینا اس کے ذریعہ جامعہ کو بڑی ترقی ملے گی اور ہر اعتبار سے جامعہ کا معیار بلند ہوگا۔ اس کے لیے ہم سب کو کافی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ جامعہ کو آگے بڑھانے کا یہ ایک اچھا موقع ملا ہے۔ اساتذۂ کرام تعلیم وتربیت میں خوب محنت کریں اور پوری تیاری کے ساتھ طلبہ کو پڑھائیں اور معیاری درس دینے کی کوشش کریں۔ اخیر میں محترم ناظم اعلی نے اس کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور اساتذہ ومعاونین بطور خاص ڈاکٹر عبد الصبور صاحب مدنی حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کیا جو اس سفر میں ناظم صاحب کے ساتھ رہے اور قدم قدم پر ان کا بھرپور تعاون کیا نیز جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مذکرۃ التفاھم کے حصول میں پورا پورا ساتھ دیا۔

اساتذۂ جامعہ نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور جامعہ کے معیار کو مزید بلند کرنے کے لیے ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ رخصت ہوئے۔

ششماہی وموسم سرما کی تعطیل کے بعد دوبارہ تعلیم کا آغاز:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کے سالانہ مجوزہ پروگرام کے مطابق ششماہی وموسم سرما کی تعطیل ختم ہوتے ہی ۱۴/جنوری ۲۰۱۹ء بروز سوموار جامعہ کھل گیا اور باضابطہ تعلیم شروع ہوگئی۔ حسب معمول محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ نے تمام کلاسوں اور دیگر شعبوں کا معائنہ کیا۔ بعض مسؤولین کو مناسب ہدایات دیں اور سبھوں کو جامعہ کے نظام کے تحت منظم طور پر کام کرنے کی تاکید کی اور تاخیر سے آنے والے طلبہ کے ساتھ ''شؤون الطلاب'' میں ضابطہ کے تحت کارروائی کی گئی اور آئندہ اس طرح کی غلطی کے اعادہ نہ کرنے کی شرط پر کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔

انعامی مسابقہ برائے طلبۂ جامعہ سلفیہ، بنارس:

حسب روایت جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس میں طلبہ کے اندر علمی ذوق پیدا کرنے اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے مورخہ ۲۸/ فروری ۲۰۱۹ء بروز جمعرات ایک انعامی مسابقہ حفظ حدیث ہونا طے پایا ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

- مسابقہ میں شرکت کے خواہشمند طلبہ ۷/فروری ۲۰۱۹ء جمعرات تک دفتر شؤون الطلاب میں اپنا نام لازمی طور پر اندراج کرالیں۔
- جامعہ کا ہر طالب علم اس مسابقہ میں شرکت کا مجاز ہوگا۔
- مقررہ تاریخ تک مسابقہ میں شرکت کے متمنی طلبہ کا اپنا نام اندراج کرانا ضروری ہوگا۔
- مسابقہ کے لیے مقدسی کی ''عمدۃ الاحکام'' سے ماخوذ مطلوبہ احادیث کا مجموعہ ''مذکرہ'' کی شکل میں موجود ہے جسے دفتر شؤون الطلاب سے ۳۰/روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- مسابقہ تحریری شکل میں ہوگا۔
- (۶۰) سے کم نمبر حاصل کرنے والا طالب علم تشجیعی انعام کا مستحق نہیں ہوگا۔
- پہلی پوزیشن سے لے کر پانچویں پوزیشن تک کے مقررہ انعام کے حصولیابی کے لیے امتحان میں کم ازکم (۷۵) نمبر لانا ضروری ہوگا۔
- نمبرات مکرر ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعہ پوزیشن کی تعیین کی جائے گی۔

انعامات کی تفصیل:

- پہلا انعام: دس ہزار (۱۰۰۰۰) روپے
- دوسرا انعام: آٹھ ہزار (۸۰۰۰) روپے
- تیسرا انعام: چھ ہزار (۶۰۰۰) روپے
- چوتھا انعام: پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپے
- پانچواں انعام: چار ہزار (۴۰۰۰) روپے
- چھٹا تا دسواں انعام: پندرہ سو (۱۵۰۰) روپے
- گیارہواں تا بیسواں انعام: پانچ سو (۵۰۰) روپے

(شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ/جامعہ سلفیہ بنارس)

●●●

باب الفتاوی

سوال:

ہمارے یہاں شہر بریلی میں عام رواج ہے کہ کاروباری لائن میں اچھے اور پڑھے لکھے مسلمان گھرانوں میں بھی جب کسی دوکان یا فرم کا افتتاح ہوتا ہے تو قرآن خوانی کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے بعد شیرینی یا طعام کی مجلس ہوتی ہے تو کیا ایسی مجلسوں میں شریک ہوکر قرآن خوانی کرنا اور شیرینی وطعام میں شریک ہونا درست ہے؟

جواب:

قرآن مجید میں اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور معاشی وغیرہ وغیرہ امور کے اصول، قواعد اور طریقے بیان کئے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے زندگی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ غلامی سے آزادی ملتی ہے اور دونوں جہاں کی سرخ روئی حاصل ہوتی ہے۔

جب قوموں پر زوال آتا ہے تو عملی کوتاہی شروع ہوتی ہے۔ شخصیت پرستی شروع ہوجاتی ہے۔ اور گنڈا، تعویذ، بزرگوں کا وسیلہ اور قرآن خوانی وغیرہ امور کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ایک کسوٹی بیان کی گئی ہے۔ اس پر کس کر جائز و ناجائز کا علم بآسانی ہوجاتا ہے۔

ما أنا علیه و أصحابی (ترمذی: ۲۶۴۱، یہ حدیث حسن ہے) جو طریقہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے یا اس پر عمل فرمایا ہے یا آپ کے سامنے کسی صحابی نے کیا ہے وہ نیکی ہے، موجب نجات ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ موجب نجات اور حق ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی رسم ورواج، تعویذ وگنڈا، تعزیہ داری، تیجہ، چالیسواں، فاتحہ، وغیرہ رائج ہیں سب خرافات اور ناجائز ہیں۔ اسی طرح قرآن خوانی کا ثبوت نہ زمانہ نبوت میں ملتا ہے نہ دور صحابہ میں اس لئے ناجائز ہے۔ حنفیہ کے یہاں بھی اجرت پر قرآن خوانی ناجائز ہے (شرح العقیدہ الطحاویہ، ص: ۷۵۴) شیرینی تو اجرت ہی ہے۔

هذا ما عندی والله أعلم بالصواب

دار الافتاء

جامعہ سلفیہ بنارس

اہل قلم سے گزارش ہے کہ اپنے قیمتی مضامین کے ذریعہ ''محدث'' کو استحکام بخشیں۔ (ادارہ محدث)